ماہنامہ
جنوری 2024ء
طلوعِ اسلام
لاہور
اشاعت کا اکیاسی واں سال

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

یہ نظام اُن افراد کے ہاتھوں متشکل ہوگا جو اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان، اور عملاً اس اعلان کی تصدیق کریں گے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی اِطاعت اور محکومیت اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی کسی غیر خدائی نظام سے خواستگارِ معاونت ہوتے ہیں (12:40;3:78)۔ اس کا عملی طریق اُس کی کتابِ عظیم (قرآنِ مجید) کے اَحکام و اصول کی اِطاعت ہے (5:44-48)۔ (مفہوم القرآن، 1:5)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویز صاحب کے علمی اسلوبِ تحقیق کی تائید

قرآنی نظریات کی روشنی میں مغرب کے غلط تصورات کی تردید میں محترم پرویز اور ہمارے ہاں کے مفکرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر علامہ اقبالؒ، ڈاکٹر رفیع الدین احمد اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تصنیفات سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ جب بھی قارئین ان اقتباسات کی روشنی میں محترم پرویز صاحب کی تصنیفات کا جائزہ لیں گے تو وہ ان تمام خوبیوں کو بشمول دیگر خوبیوں کے ان میں پائیں گے۔ اس موضوع پر محترم پرویز صاحب کا موقف جاننے کے لئے خصوصی طور پر ان کی تصانیف ''انسان نے کیا سوچا'' اور ''اسلام کیا ہے'' ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔

(1) ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا موقف:

1- عقل اور وحی میں تصادم نہیں بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

2- قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

(الف) اپنے زمانوں کے تقاضوں اور اپنے دور کی فکری کاوشوں سے متعارف ہوں۔

(ب) قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریفِ آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

(2) ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف:

مغرب کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید قرآنی نظریات سے کرتے ہوئے مصنف کے لئے ضروری ہے کہ:

1- وہ روحِ قرآن کے ساتھ پوری پوری واقفیت پیدا کریں جس کے بغیر قرآنی اور غیر قرآنی تصورات میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔

2- وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور ان کے متبعین کے طرزِ خیال و عمل سے پوری پوری واقفیت پیدا کریں۔

3- وہ علم کے تمام شعبوں سے یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم اور فلسفہ سے جو ان علوم کو جمع کر کے ایک مکمل نظریہ کائنات ترتیب دیتا ہے، اس حد تک واقف ہوں کہ ان کی ساری وسعت میں جہاں کہیں کوئی اسلامی تصور موجود ہو اسے پہچان کر لے سکیں اور استخراج اور استنباط سے مزید صحیح اسلامی تصورات کو اخذ کر سکیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
جنوری 2024ء

جلد 77 | شمارہ نمبر 1

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 600 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: قرآنی نظام کیسے قائم ہوگا؟	ادارہ	4
درسِ قرآن (سورۃ الاعراف، آیات 85 تا 95)	پرویز علیہ الرحمہ	11
حافظ سید محب الحق صاحب مرحوم!	ادارہ	35
ہیں آج کیوں ذلیل ۔۔۔	ادارہ	46
باب المراسلات	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	50

ENGLISH SECTION

The Human Self and Allah
By G. A. Parwez (Translated by: Dr. Ejaz Rasool)
Episode No. 22 — 58

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672
For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو، بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفونِ دریا زیر دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گہر نکلے
غبارِ رہ گزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو، اکسیر گر نکلے
ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے، اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے
یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

قرآنی نظام کیسے قائم ہوگا؟

طلوع اسلام میں۔۔قرآن کی رُو سے ذاتی ملکیت' کے موضوع پر بصیرت افروز اور حقائق پرور مقالات شائع ہوتے رہے ہیں' اس کے متعلق ہمیں بہت سے استفسارات موصول ہوئے ہیں۔ان میں بہ ہیئت مجموعی جو سوال سامنے لایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کا قرآنی نظام معیشت' جس میں ذاتی ملکیت باقی نہیں رہتی' بحالات موجودہ عمل میں کیسے لایا جا سکے گا؟ سوال بڑا اہم ہے۔اس لئے' اسی نسبت سے گہری توجہ کا مستحق۔

سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کا سیاسی نظام ہو یا معاشی' معاشرتی ہو یا عدالتی ان میں سے کوئی بھی اپنی جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اسلام' انسانی زندگی کو ایک ناقابل تقسیم وحدت قرار دیتا ہے۔اور چونکہ اس کا (یعنی اسلام کا) تعلق انسانی زندگی سے ہے' اس لئے اس کا نظام بھی ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے جس کے مختلف شعبوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پانی' ہائیڈروجن اور آکسیجن کے مرکب ہی کا نام ہوتا ہے لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ ہائیڈروجن کو الگ سلنڈر میں بھر لیں اور اسے ایک حصہ پانی قرار دے لیں اور آکسیجن کو دوسرے سیلنڈر میں بھر کر اسے دو حصے پانی کہہ دیں۔ جب تک آپ ان دونوں کو ان کی خاص نسبت اور خاص قاعدہ کے مطابق یکجا نہیں کریں گے اسے پانی نہیں کہا جا سکے گا۔ یہی کیفیت اسلامی نظام کی ہے۔ اس کے الگ الگ حصے کر کے' انہیں اسلامی نظام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔انسان' نہ تو اس کے سر کا نام ہے' نہ دل کا' نہ جگر کا نہ پھیپھڑوں کا۔حتیٰ کہ نہ خون کا نہ سانس کا۔ انسان' بتمامہٖ انسان ہے' اور یہ تمام اجزاء انسانی زندگی کے اسباب و ذرائع ہیں۔ یہی کیفیت اسلامی نظام حیات کی ہے جس کے حصے بخرے نہیں کئے جا سکتے۔ یہ ہماری حقیقت فراموشی اور کوتاہ نگہی ہے کہ نظام زندگی خواہ کسی قسم کا ہو' ہم نماز پڑھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اسلام کے ایک حصہ پر عمل کر لیا اور زکوٰۃ دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اس کے دوسرے حصے پر عمل پیرا ہو گئے۔ یہ اسلامی نظام حیات کے ارکان ہیں اور اس نظام کی عدم موجودگی میں ان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے مردہ کے جسم کے اعضاء و جوارح۔

یہ جو ہمارے ہاں آئے دن مطالبہ ہوتا رہتا ہے کہ مختلف جرائم کی شرعی سزائیں دینی چاہئیں تاکہ یہاں اسلامی نظام رائج ہو جائے' تو یہ بھی اسلامی نظام کی حقیقت و ماہیت

سے بے خبری کی دلیل ہے۔۔قرآن کا معاشری نظام کوئی ایسا خود مکتفی عنصر نہیں کہ اسے رائج کرنے سے ہم یہ سمجھ لیں کہ یہاں اسلامی نظام رائج ہو گیا ہے' یا اسے اسلام کے مجموعی نظام سے الگ کر کے نافذ کیا جا سکے۔

یہ غلط نگہی ہمارے قدامت پسند' مذہبی طبقہ تک ہی محدود نہیں جو لوگ اپنے آپ کو کمیونسٹ کہتے ہیں' ان کے ذہن میں بھی یہی ہے کہ کمیونزم ایک معاشی نظام ہے اور بس۔ اگر وسائل پیداوار کو انفرادی ملکیت سے نکال کر' اجتماعی ملکیت میں دے دیا جائے تو اسے کمیونزم کہا جائے گا۔ یہ بھی یکسر غلط ہے اور کمیونزم کی اصل وحقیقت سے بے خبری کی دلیل۔ کمیونزم ایک فلسفۂ زندگی۔۔ ایک منفرد آئیڈیالوجی۔۔ ہے۔ اور اس آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر ایک معاشی نظام کی عمارت استوار ہوتی ہے جس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وسائل پیداوار انفرادی ملکیت میں نہیں رہتے۔ اگر اس معاشی نظام کو اس آئیڈیالوجی سے الگ کر دیا جائے' تو اسے کمیونزم نہیں کہا جائے گا۔

ضمناً' اس سے یہ بھی واضح ہے کہ محض اس قدر مشترک ہونے کی بنا پر کہ اسلام کے معاشی نظام میں بھی وسائل پیداوار پر ذاتی ملکیت نہیں رہتی اور یہی صورت کمیونزم میں ہوتی ہے' اسلام اور کمیونزم ایک نہیں ہو جاتے۔ اسلام کا فلسفۂ حیات' اور کمیونزم کا فلسفۂ حیات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بہرحال' ہم کہہ یہ رہے تھے کہ قرآن کا معاشی نظام کوئی ایسا خود مکتفی شعبہ نہیں جسے اسلام کے پورے نظام سے الگ کر کے نافذ کیا جا سکے۔ جب کسی معاشرہ میں قرآنی نظام زندگی نافذ ہو گا تو اس کا لازمی نتیجہ وہ معاشی نظام ہو گا جس میں وسائل پیداوار پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو گی۔

لہٰذا' اصل سوال یہ ہے کہ جن حالات میں سے ہم گزر رہے ہیں (یا ہمارے معاشرہ کی جو موجودہ حالت ہے') اس میں قرآنی نظام زندگی کس طرح نافذ کیا جا سکتا ہے؟

جب نبی اکرم ﷺ نے دنیا کے سامنے اسلامی نظام کو پیش کیا' تو اس وقت دنیا میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔۔۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ اس نظام کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا۔ جو شخص' دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے بعد' اسے اپنے لئے قابل قبول سمجھتا' وہ اسے اختیار کر لیتا۔ ایسا کرتے وقت وہ اچھی طرح جانتا کہ اس میں ذاتی ملکیت باقی نہیں رہے گی۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان حضرات پر مشتمل ایک سوسائٹی وجود میں آ گئی جو قرآنی نظام زندگی کو بطیب خاطر اپنے لئے نظام حیات قرار دے چکے تھے۔ لہٰذا' ان کی صورت میں کرنے کا کام فقط اتنا تھا کہ باہمی مشاورت سے یہ سوچ اور طے کر لیا جائے کہ معاشرہ کے اس وقت کے حالات کے مطابق' اس نظام کو کس طرح عملاً وجود میں لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے انقلابی پروگرام کو بتدریج ہی انتہا تک پہنچایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے یہی طریق کار اختیار کیا گیا اور اس کے لئے خود قرآن میں رہنمائی موجود تھی۔ یہ جو ہم قرآن کریم میں صدقہ خیرات' قرض حسنہ' وراثت وغیرہ سے متعلق احکام و ہدایات دیکھتے ہیں' وہ اسی عبوری دور سے متعلق ہیں جس میں اس نظام کو تدریجاً اس کی آخری منزل کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس کے تکمیل تک پہنچ جانے کے بعد' نہ اس معاشرہ میں کوئی محتاج ومحروم رہ سکتا ہے جس کے لئے صدقہ و خیرات کی

ضرورت پیش آئے‘ نہ ہی کوئی صاحبِ جائیداد ہوسکتا ہے جس کا اس قسم کا ترکہ اس کے پسماندگان میں تقسیم ہو۔ اس انقلاب کے داعی (رسول اللہ ﷺ) کی اپنی زندگی‘ شروع ہی سے اس انتہائی منزل کی آئینہ دار تھی۔۔۔ اور اسے ایسا ہونا بھی چاہئے تھا‘ کیونکہ اسے تو ہمیشہ تک کے لئے دوسروں کے لئے اسوۂ حسنہ (ماڈل) بننا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ حضور ﷺ نے دولت جمع کی‘ نہ جائیدادیں کھڑی کیں۔ نہ زندگی میں کچھ پس انداز کیا‘ نہ وفات کے بعد کچھ ترکہ میں چھوڑا۔

ضمناً۔۔۔ نظامِ سرمایہ داری کے حامی حضرات (بڑی جرأت سے) کہہ دیتے ہیں کہ فلاں صحابیؓ کے پاس اس قدر دولت تھی اور فلاں کے پاس اس قدر خزانے۔۔ ان حضرات سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہئے اور وہ یہ کہ آپ‘ ایک نقشہ رسولؐ اللہ کی زندگی کا پیش کرتے ہیں اور اس کے بالکل برعکس‘ دوسرا نقشہ‘ ان صحابہؓ کا۔ اب آپ یہ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں سے کون سا نقشہ اسلام کی صحیح تعبیر کہلا سکتا ہے؟ [1] رسولؐ اللہ کی زندگی کا نقشہ یا ان حضراتؓ کی زندگی کا (وہ نقشہ) جسے آپ پیش کرتے ہیں۔

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ حضرات ان دونوں نقشوں کو عین مطابق اسلام قرار دیں گے! اور (صرف) ان دو نقشوں پر ہی کیا موقوف ہے‘ ان کے پیش کردہ تصور کی رو سے تو ہر قسم کے متضاد اور باہمد گر متخالف و متبائن نظریات و تصورات (بلکہ ان کی عملی شکلیں بھی) سب اسلام ہیں! ان کے تصور اسلام کی رو سے حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلک (جو جمع کردہ دولت کو جہنم کی آگ قرار دیتے تھے) بھی عین مطابق اسلام تھا‘ اور حضرت عثمانؓ کا مسلک بھی (جن کے پاس بقول ان کے‘ دولت کے انبار در انبار تھے) عین اسلامی۔ ان کے نزدیک‘ مسلمان سلاطین کے حق میں خلد اللہ ملکہ اور ایدہ اللہ بنصرہ کی مقدس دعائیں کرنے والے علماء کرام بھی ''رحمہم اللہ تعالیٰ'' ہیں اور ملوکیت کو ابلیسی نظام قرار دینے والے بھی ''رحمہم اللہ تعالیٰ''۔ ان کے اسلام کی رو سے‘ موجودات عالم کو عین ذات خداوندی سمجھنے والے بھی ''شیخ اکبر'' کہلانے کے مستحق ہیں‘ اور ان کی تردید میں عمر بھر جہاد کرنے والے بھی ''مجدد اعظم''۔ ان میں سے ہر فرقہ‘ دوسرے فرقے پر کفر کے فتوے بھی لگاتا ہے‘ اور پھر ان تمام فرقوں کے مجموعہ کا نام امت محمدیہ بھی قرار دیتا ہے۔ سو جن کے اسلام کی یہ حالت ہو‘ وہ اگر رسول اللہ ﷺ کے نقش حیات اور ان کے بالکل برعکس‘ مسلک زندگی کو عین مطابق اسلام قرار دے لیں تو یہ کون سی تعجب کی بات ہے؟

بہرحال‘ ہم کہہ یہ رہے تھے کہ قرآنی نظام کے داعیٔ اول (حضور نبی اکرم ﷺ) نے جس سوسائٹی کو متشکل فرمایا۔ اس کا ہر ممبر اس اقرار کے ساتھ اس سوسائٹی میں داخل ہوا تھا کہ وہ قرآنی نظام کے تابع زندگی بسر کرے گا۔ لہٰذا‘ وہاں سوال صرف طریق کار کا تھا۔ لیکن ہماری حالت ان سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ایک سوسائٹی پہلے سے موجود ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی

---

[1] واضح رہے کہ ہمارے نزدیک تاریخ کے ایسے واقعات جو صحابہؓ کی زندگی کو قرآنی تعلیم یا رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے مختلف ثابت کرتے ہیں‘ وضعی اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی قرآن کے مطابق اور صحابہؓ کی زندگی رسولؐ اللہ کی زندگی کے مطابق تھی۔

قرآنی نظام کو سمجھ کر، اس یقین و ایمان کے ساتھ اس سوسائٹی کا ممبر نہیں بنا کہ وہ اس نظام کو اپنے اوپر عملاً وارد کرنے، اور پھر اسے دنیا میں عام کرنے کے لئے، اس سوسائٹی میں شامل ہو رہا ہے۔ اتنا ہی نہیں، جس اسلام کی طرف وہ اپنی نسبت کرتا ہے، اس کے سامنے اس کا بھی کوئی متعین مفہوم نہیں۔۔۔ یہ بھی اسلام ہے اور وہ بھی اسلام۔۔۔ اور یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جس نظریہ کا ایک، واحد، متعین اور منفرد مفہوم نہ ہو، بلکہ کہا یہ جائے کہ یہ مفہوم بھی صحیح ہے اور وہ مفہوم بھی صحیح۔۔۔ اس پر کسی کا مستحکم یقین نہیں ہوسکتا۔ قرآن نے جب (خدا کے ماننے والوں کے متعلق) کہا تھا کہ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (2:137)۔ (اگر یہ خدا کو اس تصور کے مطابق مانیں جو تمہارا تصور ہے تو پھر یہ سمجھا جائے گا کہ وہ صحیح راستے پر ہیں) تو اس سے یہی مقصود تھا۔۔۔ سبل متفرقہ (مختلف راستوں) کو یکساں ماننے والوں کو قرآن ایمان والے قرار ہی نہیں دیتا (6:154)۔ اسلام، جب ایک نظریۂ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے، تو اس کا مفہوم بھی ایک اور صرف ایک ہوسکتا ہے۔ ''مذہب'' چونکہ انفرادی چیز ہوتا ہے اس لئے اس میں اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا کہ ایک شخص نے اس کا کوئی مفہوم لے لیا اور دوسرے نے کوئی اور۔ لیکن دین تو اجتماعی نظام حیات کا نام ہے اس لئے اس میں مختلف مفاہیم لینے کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ جو ہر مسلمان کے لئے حکم ہے کہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہو، وہ اپنا ''رخ جانب قبلہ رکھے''، تو اس کا عملی مفہوم یہی تھا کہ دنیا کے ہر مسلمان کا نصب العینِ حیات ایک ہونا چاہئے۔ اسی کا نام توحید ہے اور یہی وجہ ہے قرآن نے، فرقہ بندی کو بالفاظِ صریح شرک قرار دیا ہے۔ (30:31)۔

لہٰذا، موجودہ مسلمانوں کی پہلی مشکل تو یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو سمجھ سوچ کر، بہ طیب خاطر، بطور نظام حیات قبول نہیں کیا۔

اور ان کی دوسری دشواری یہ ہے کہ جس اسلام کی طرف یہ اپنی نسبت کرتے ہیں، اس کا کوئی ایک متعین مفہوم ان کے سامنے نہیں۔

اور تیسری دشواری یہ ہے (اور یہ سب سے اہم اور بنیادی دشواری ہے) کہ بہ ہیئت مجموعی، اسلام کا جو تصور، ہماری مذہبی پیشوائیت کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے، اسے اس اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں جسے خدا نے اپنے رسول ﷺ کی وساطت سے عطا فرمایا تھا۔۔۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نظام سرمایہ داری کو مسلمانوں کے تمام مذہبی فرقے عین اسلام قرار دیتے ہیں اور اسلام میں فرقوں کے وجود کو کوئی بھی شرک تسلیم نہیں کرتا! حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسلام کی یکسر نقیض ہیں۔

یہ ہے وہ مقام جہاں ہم اس وقت کھڑے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہے کہ

اسلامی نظام کا واضح مفہوم متعین کیا جائے۔۔ ایک متعین مفہوم۔ یہ کام مذہبی پیشوائیت کے بس کا نہیں۔ ہماری مذہبی پیشوائیت، فرقہ بندی کا شکار ہے اور فرقہ بندی میں (قرآن کے الفاظ میں) ہوتا یہ ہے کہ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (30:32)۔ ہر فرقہ اپنے مسلک کو حق سمجھتا ہے اور اپنے عقائد میں ایسا مست ہوتا ہے کہ (اس

کے خلاف کسی نظریہ کو حق سمجھنا تو درکنار) وہ اس پر تنقیدی نگاہ ڈالنا بھی کفر و الحاد کے مرادف سمجھتا ہے۔۔۔فرقہ بندی قائم ہی اس قسم کی متشدد عصبیت سے رہ سکتی ہے۔۔۔جو حضرات' ہزار برس سے یہ نہ طے کر سکے کہ نماز میں آمین اونچی آواز سے کہنی چاہئے یا نیچی سے' کیا وہ پورے کے پورے اسلامی نظام کا ایک متفق علیہ مفہوم متعین کر سکیں گے؟ ان سے ایسی توقع رکھنا خود فریبی ہے۔گذشتہ دنوں امریکہ کے سابق وزیر خارجہ کا ایک انٹرویو اخبارات میں شائع ہوا جس میں پوچھا گیا کہ کیا امریکہ کو اس وقت سخت خطرہ لاحق نہیں ہو جائے گا جب پاکستان میں حقیقی اسلامی نظام نافذ ہو جائے گا۔سابق امریکی وزیر نے نہایت اطمینان سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس کا کوئی امکان نہیں کیونکہ ہر فرقہ کی فقہ اور اسلام کی تعبیر مختلف ہے یہ عملاً ناممکنات میں سے ہے لہٰذا امریکہ کو پاکستان سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

ہمارے نزدیک یہ کام مملکت کی طرف سے ہو سکتا تھا۔اس کی وجہ ظاہر ہے۔اسلام میں نہ دین و دنیا دو الگ الگ شعبے ہیں اور نہ ہی انسانی زندگی کو مختلف خانوں (Compartments) میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا' اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ امت کی پوری کی پوری زندگی کے متعلق ضوابط مقرر کرے۔ظاہر ہے کہ مملکت کی طرف سے متعین کردہ ضابطہ قوانین ساری قوم کے لئے ایک ہی ہو سکتا ہے۔۔۔اس میں' دین و دنیا کی تفریق تو ایک طرف' شخصی اور پبلک لاز کی تفریق بھی نہیں ہو سکتی۔یہ تھا وہ مقصد جس کے لئے پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تھا۔۔۔یعنی اسلامی نظام کا مفہوم متعین کر کے اسے ملک میں عملاً نافذ کرنا۔

مذہبی پیشوائیت تو ایسا کر نہیں سکتی تھی اس لئے اس نے نہ اب تک ایسا کیا' نہ ہی ایسا وہ کبھی کر سکے گی۔لیکن ہمارے ہاں کی مملکت نے' ایسا کر سکنے کے باوجود' ایسا نہ کیا۔

لیکن کسی نے ایسا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔اس کے بغیر نہ مملکت اسلامی بن سکتی ہے' نہ موجودہ مسلمان' مسلمان کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

اسلامی نظام کا مفہوم متعین کرنے کے بعد' اگلا مرحلہ یہ ہوگا کہ اس مفہوم کو دلائل و براہین کی رو سے سمجھایا جائے۔اور نہایت محبت اور شفقت سے مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے ان سے کہا جائے کہ وہ اس پر اچھی طرح سے غور و فکر کر لیں' سمجھ سوچ لیں اور اس کے بعد اس کا فیصلہ کر لیں کہ وہ اس کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہیں تو پھر ہمیں اسلام کے احیاء کا خیال چھوڑ دینا چاہئے اور اگر وہ اس پر رضامند ہوں تو پھر یہ ہوگی وہ سوسائٹی جو بیٹھ کر سوچے گی اور اس کا فیصلہ کرے گی کہ اس نظام کو اس کی آخری منزل تک لے جانے کے لئے تدریجی پروگرام کیا بنایا جائے۔ واضح رہے کہ ان کا نصب العین تو وہی ہوگا جو مفہوم انہوں نے اسلامی نظام کا متعین کیا تھا۔سوال صرف اس نصب العین تک پہنچنے کے عملی وسائل و ذرائع اور طرق و اسالیب کا ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ مملکت اس قسم کا مفہوم کس طرح متعین کرے گی اور اس کے صحیح ہونے کا معیار کیا ہوگا؟ اس سوال کا جواب خدا نے خود اپنی کتاب میں دے دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

(1) جو اپنے معاملات کے فیصلے' اس کتاب کے مطابق' جسے خدا نے نازل کیا ہے' نہیں کرتے' وہ مسلمان نہیں' کافر ہیں (5:44)۔

(2)اس کتاب میں کوئی اختلافی بات نہیں (4:82)۔
(3) یہ مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی (6:116)۔
(4) یہ سمجھنے کے لئے بڑی آسان ہے (54:40)۔
(5) یہ حرفاً حرفاً محفوظ ہے (15:9)۔

سوچئے کہ جس کتاب کا یہ دعویٰ ہو‘ اس سے (اس قوم کے لئے جو اس کے ان دعاوی کے سچا ہونے پر ایمان رکھتی ہو) اسلامی نظام کا واحد مفہوم متعین کر لینا کچھ بھی مشکل ہے؟ ہوسکتا ہے کہ ابتدائی کوشش میں‘ اس میں جزئی طور پر کوئی سقم رہ جائے‘ لیکن مزید غور وخوض سے وہ بآسانی رفع ہوسکتا ہے۔ بنیادی چیز تو قرآن کو بطور معیار تسلیم کرنا ہے۔ ایک غیر متبدل معیار کی موجودگی میں کسی سہو وخطا کی تصویب چنداں مشکل نہیں ہوتی اور جب وہ معیار ایسا ہو جس میں کوئی بات اختلافی نہ ہو‘ تو یہ بھی ناممکن ہے کہ اس سے دو متضاد معاشی نظاموں کا جواز نکل آئے۔

یہ ہے وہ طریق جس کے مطابق‘ قرآنی نظام پاکستان میں نافذ کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس کے نفاذ کے طریق میں بھی‘ کمیونزم اور قرآنی نظام میں‘ کس قدر بنیادی فرق ہے۔ کمیونسٹ اپنے نظام کو قوت کے ذریعے مسلط کرتے ہیں‘ لیکن قرآن کا اعلان ہے کہ دین (نظام زندگی) کے باب میں کسی قسم کا جبر و اکراہ جائز نہیں (2:256) یہ بہ طیب خاطر قبول کرنے اور دل و دماغ کے کامل اطمینان سے قائم رکھنے کی چیز ہے۔ اور (منجملہ دیگر امور) یہ بھی ایک وجہ ہے کہ کمیونزم کا نظام بزور مسلط تو کیا جا سکتا ہے‘ آگے نہیں چلایا جا سکتا۔ خود ہماری تاریخ میں بھی یہی ہوا جس معاشرہ نے اسے سمجھ سوچ کر بطیب خاطر قبول اور اختیار کیا تھا‘ اس نے اسے نہایت عمدگی سے چلایا۔ لیکن اس کے بعد جو لوگ‘ محض میدان جنگ میں شکست کھا جانے کے بعد‘ اس سوسائٹی میں شامل ہو گئے‘ وہ اسے آگے نہ چلا سکے۔ فاتح قوم (مسلمانوں) نے ان لوگوں سے اسلام‘ بزور شمشیر نہیں منوایا تھا۔ اسے انہوں نے ازخود اختیار کیا تھا لیکن اسے اختیار سمجھ سوچ کر نہیں کیا تھا بلکہ فاتح قوم کی عظمت وشوکت کو دیکھ کر‘ ان کی تقلید میں اسے اختیار کر لیا تھا۔ اس طرح اسلام قبول کر لینے اور سمجھ سوچ کر قلب و دماغ کے کامل اطمینان کے بعد ایمان لانے میں یہی فرق تھا جس کے پیش نظر قرآن کریم نے ان صحرانشین عربوں کے متعلق۔۔۔ جو اسلامی مملکت کی شان وشوکت کو دیکھ کر‘ اسلام لے آئے تھے۔۔۔ واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ’’ان سے کہہ دو کہ یہ‘ یہ نہ کہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں‘ صرف یہ کہیں کہ ہم اس مملکت کے سامنے جھک گئے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں نہیں اترا (49:14)۔ قرآنی نظام صرف اس سوسائٹی کے ہاتھوں قائم ہوسکتا ہے ’’جس کے دل کی گہرائیوں میں ایمان اتر چکا ہو۔‘‘

اور اس کا طریق یہ ہے کہ اس سوسائٹی کی ہر نئی نسل کی تعلیم اس نہج سے کی جائے کہ وہ اس نظام کی صداقت کو دلائل وبراہین کی رو سے اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لیں۔ اگر انکی تعلیم وتربیت کا سلسلہ اس طرح جاری رکھا جائے‘ تو پھر یہ قوم اس نظام کو نہایت عمدگی سے چلاتی جائے گی۔

یہ ہے ہماری بصیرت کے مطابق وہ طریق جس سے ہم قرآنی نظام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہوسکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی تبدیلی ناممکن ہے تو

پھر ہمیں نہایت دیانتداری سے اسلامی نظام کا نام لینا چھوڑ دینا چاہئے۔ ہم جس انداز سے اس وقت اسلامی نظام کی ''مہارنی'' پکار کر رہے ہیں۔ اس نظام سے مذاق ہے اور جو کچھ ''اسلام کے لئے'' کر رہے ہیں اس سے اسلام اور زیادہ نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ موجودہ اسلام بالعموم ہمارے دورِ ملوکیت جاگیرداری اور سرمایہ داری کا وضع کردہ ہے اس لئے اس کی تقویت کے لئے سامان بہم پہنچانا خلاف اسلام نظریات و مسالک کی پرورش کرنا ہے۔ یہ ہمارے مکتب مدرسے دارالعلوم یہ اسکولوں اور کالجوں میں اسلامیات کے نصاب یا دوسری طرف یہ اسلامی مشاورتی کونسلیں اور تحقیقاتی ادارے۔۔ غرضیکہ خدمت اسلام کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے یہ اگر اسلام کے نام سے ابلہ فریبی نہیں تو خود فریبی ضرور ہے۔ اور اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ خود فریبی سے حقائق نہیں بدل جایا کرتے۔

آپ کتنی ہی نیک نیتی سے ببول کے پیڑ کی آبیاری اور نشوونما کرتے رہیں اس سے انگوروں کے خوشے حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ اگر آپ انگور حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ ببول کے پیڑ کو جڑ سے اکھیڑ کر اس کی جگہ انگور کی بیل کاشت کریں۔ یہ ہے سنت اللہ۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (48:23)۔ (سنت اللہ میں کبھی تبدیلی نہیں ہوا کرتی) اسی لئے اقبالؔ نے احیاء اسلام کے لئے تعمیر نو (Re-Construction) کا تصور دیا تھا اس کی موجودہ عمارت میں رنگ و روغن کا نہیں اور اس تعمیر نو کا معیار یہ دیا تھا کہ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اگر تُو مسلمان بن کر جینا چاہتا ہے پھر تو قرآنِ خالص کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ (مفہوم از م س ا)

یاد رکھئے! ہمارا طریقِ کار ہنگامہ آرائی اور تماشہ گری نہیں۔ ہمارا طریق نہایت خاموش اور پُرامن طور پر قرآنی فکر کو عام کیے جانا ہے۔ تاکہ اس نظام کے قیام کا تقاضا لوگوں کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے۔ ہم میں سے بعض تیز طبائع پر اس طریقِ کار کی سُست روی بعض اوقات گراں گزرتی ہے۔ وہ عام سیاسی جماعتوں کے سے ہنگامہ آرائی کے پروگرام اختیار کرنے کی تجویز کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ ہمارا یہ طریقِ کار، قرآنی فکر، تاریخی شواہد اور انسانی نفسیات کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہے۔ جو احباب ہمارے ہم سفر ہونا چاہیں انہیں یہ سب کچھ سوچ سمجھ کر شریک ہونا چاہئے۔ یہ کوہ کنی بڑی صبر آزما ہے۔ یہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنے کے مترادف ہے جس میں قدم قدم ہی چلا جا سکتا ہے ورنہ۔۔۔ سانس اکھڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔۔۔'' (پرویزؒ، سالانہ کنونشن، 17 تا 20 مارچ 1966ء)

پرویز علیہ الرحمۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الاعراف، آیات 85 تا 93

درسِ قرآن

فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَاَہۡلَہٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ۫ کَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ؕ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۸۴﴾ وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاہُمۡ شُعَیۡبًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ بَیِّنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَالۡمِیۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَہُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِہَا ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ وَتَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِہٖ وَتَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ۚ وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ کُنۡتُمۡ قَلِیۡلًا فَکَثَّرَکُمۡ ۪ وَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنۡ کَانَ طَآئِفَۃٌ مِّنۡکُمۡ اٰمَنُوۡا بِالَّذِیۡۤ اُرۡسِلۡتُ بِہٖ وَطَآئِفَۃٌ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا فَاصۡبِرُوۡا حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰہُ بَیۡنَنَا ۚ وَہُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۸۷﴾ قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ لَنُخۡرِجَنَّکَ یٰشُعَیۡبُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَکَ مِنۡ قَرۡیَتِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِیۡ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوۡ کُنَّا کٰرِہِیۡنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افۡتَرَیۡنَا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اِنۡ عُدۡنَا فِیۡ مِلَّتِکُمۡ بَعۡدَ اِذۡ نَجّٰىنَا اللّٰہُ مِنۡہَا ؕ وَمَا یَکُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ فِیۡہَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ؕ عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡنَا ؕ رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡفٰتِحِیۡنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ لَئِنِ اتَّبَعۡتُمۡ شُعَیۡبًا اِنَّکُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتۡہُمُ الرَّجۡفَۃُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡہَا ۚ اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَانُوۡا ہُمُ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰی عَنۡہُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ ۚ فَکَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ ﴿۹۳﴾

عزیزانِ من! آج مئی 1972ء کی 14 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الاعراف کی 85 ویں آیت سے ہوتا ہے: (7:85)۔

قوموں کی موت وحیات کے لئے غیر متبدل اصولوں کی اہمیت:

تجدیدِ یاداشت کے لے عرض کردوں کہ سلسلۂ کلام اس سورۃ میں یوں چلا آ رہا ہے کہ قرآنِ کریم نے بتایا یہ ہے کہ جس

طرح افراد کے سلسلے میں علت اور معلول (Cause & Effect) کا قانون کارفرما ہے کہ جو شخص آگ میں انگلی ڈالے گا اس کی انگلی جل جائے گی اور اس سے درد ہوگا۔ وہ کسی زمانے میں ہو کسی دور میں ہو کسی ملک میں ہو کسی قوم میں ہو کسی عمر میں ہو یہ قانون اٹل ہے۔ اسی طرح سے قوموں کی زندگی میں بھی بعض اسباب ایسے ہیں جن کی بناء پر قومیں تباہی کی طرف چلی جاتی ہیں اور آخرالامر وہ برباد ہوجاتی ہیں ہلاک ہوجاتی ہیں ختم ہوجاتی ہیں۔ اور اس کے برعکس دوسری روش وہ ہے کہ اگر وہ اسے اختیار کریں تو انہیں خوشحالی، امن، اطمینان، فارغ البالی، عروج، عظمت، ثروت یہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی قانون اٹل ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ اقوامِ سابقہ کی سرگذشتیں پیش کرتا ہے کہ تاریخ سے پوچھو فلاں قوم نے کس قسم کی روش اختیار کی تھی تو اس کا نتیجہ اس طرح سے تباہی ہوا تھا۔ وہ پھر اس کے بعد قومِ مخاطب سے کہتا ہے کہ چودہ سو سال پہلے کی عرب کے صحراؤں کی قوم ہو یا آج ہمارے دورِ تمدن کی قومیں۔۔ وہ کہتا ہے کہ جو قوم بھی یہ روش اختیار کرے گی وہ اسی طرح تباہ ہوجائے گی جس طرح سے کہ وہ قوم تباہ ہوئی تھی جس نے اس قسم کی روش اختیار کی تھی۔ وہ اس داستان کا جو ایک سلسلۂ دراز ہے اس کی پہلی کڑی حضرت نوحؑ کی قوم سے ابتداء اس کی کرتا ہے۔ کہا کہ اس قوم میں بنیادی جرم یہ تھا کہ معاشرے میں عزت کا معیار دولت قرار پا گئی تھی۔ جوہرِ ذاتی، کریکٹر کی بلندی، سیرت، صلاحیت یہ نہیں تھا معیار۔ پیشے یا دولت جو تھا یہ معیار قرار پا گیا تھا۔ تو یہ انبیائے کرام علیہم السلام بڑے انقلابی انسان ہوتے تھے خدا کی طرف سے جو پیغام لاتے تھے۔ وہ پستیاں سکھانے کے لیے نہیں آتے تھے وہ محکومیتیں سکھانے کے لیے نہیں آتے تھے وہ عظیم انقلاب برپا کرنے کے لیے آتے تھے۔ حضرتِ نوحؑ کی تعلیم یہ تھی کہ یہ غلط روش ہے تمہاری۔ اگر تم اسی روش کے اوپر بضد رہے تو تمہاری تباہی ہوجائے گی۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسا ہو کے رہا۔ اگلی داستان قومِ ثمود کی قرآن نے بیان کی جس میں یہ کہا کہ اگر رزق کے وسائل پر جسے آپ ارض یا زمین کہتے ہیں اس کے اوپر لوگوں کی ذاتی ملکیت ہوجائے اور اس پہ وہ لکیریں کھینچ کر بیٹھ جائیں کہ یہ امیر آدمیوں کے رقبے ہیں ہزار ہا لاکھوں کی تعداد میں ایکڑ زمینیں ان کی ذاتی ملکیت ہیں اور یہ محروم ہیں ان سے۔ تو اس نے کہا کہ یہ اگر معاشرہ یہ نظامِ معیشت کسی قوم کے اندر رائج ہوا تو وہ قوم بھی تباہ ہوجائے گی۔ رزق کے سرچشموں پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوسکتی یہ تمام نوعِ انسان کے لیے بلکہ تمام مخلوق کے لیے زندگی بسر کرنے کے ذرائع ہیں اور یہی ان کا مصرف رہنا چاہیے یہ ملکیت کی شے نہیں ہوسکتی۔ پھر قومِ لوطؑ کا قصہ آیا جس میں اس نے کہا کہ جو قوم بھی اپنی جنسی تعلقات پر پابندیاں عائد نہیں کرتی ان کو بے محابہ کھلے چھوڑ دیتی ہے حتیٰ کہ اس میں بدنہادی اور Perversion پیدا ہوجاتی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ قوم بھی کبھی تباہی سے بچ نہیں سکتی۔ اور اس کے بعد اب ہمارے سامنے قومِ مدین آتی ہے جن کی طرف حضرتِ شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔ اس قوم کے متعلق بتایا کہ ان کی اکنامکس ان کی معیشت تجارت تھی۔ قومِ ثمود کی معیشت زراعت تھی، قومِ شعیبؑ کی معیشت تجارت تھی۔ اب وہ یہ بتاتا ہے کہ تجارت میں جو قوم اس قسم کی روش اختیار کرے گی جیسے کہ قومِ شعیبؑ نے کی تھی وہ قوم بھی تباہی سے بچ نہیں سکتی۔ اور میں نے اس کے ساتھ یہ اضافہ کیا تھا کہ آپ ان کبائر جرائم کو گنتے چلے جایئے، ان کی فہرست بناتے چلے جایئے جو قرآن

نے ان قوموں کی تباہی کا باعث بتائے ہیں اور باز بایں تن نگر اور پھر اپنے معاشرے پہ نگاہ ڈالیے کہ وہاں تو ان میں سے ایک ایک جرم تھا اور قوم تباہ ہوئی اور جہاں یہ سارے جرائم یکجا اکٹھے ہو جائیں جس قوم کے اندر انہیں اس قسم کی پیوند کاریاں جو ہم لگا رہے ہیں اس سے نہیں قومیں بچ سکتیں یہ تدبر کی فسوں سازی سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ بنیادیں یہ ہیں۔ جسے کہا جاتا ہے نا کہ صاحب! ایمان کی بنیادوں کے اوپر یہ عمارت ہماری اٹھنی چاہیے اب لوگوں کی سمجھ میں بات نہیں آتی۔ اس لیے کہ ان کو بتایا ہی نہیں گیا کہ ایمان کہتے کس کو ہیں۔

کسی کا مسلمان قوم کے اندر پیدا ہو جانا کافی نہیں۔ قرآنِ حکیم تو ایمان کا طلب گار ہے:

وہ یہ کہتے ہیں کہ صاحب! اگر ایک شخص مسلمان ہو جائے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے سمجھا ہے کہ محض مسلمان ہو جانا بھی نہیں بلکہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو جانا ہی یہ چیز ہے جسے ہم کہتے ہیں ایمان انہیں کچھ فرق نظر نہیں آتا۔ مسلمان کے گھر پیدا ہونے والے وہ گناتے ہیں صاحب! دنیا بھر کے عیوب تو ان کے اندر ہیں۔ اور فلاں قوم کو دیکھئے صاحب! اس کے اندر کتنے جوہرِ ذاتی ہیں ان میں کتنی صلاحیتیں ہیں۔ اور پوچھتے ہیں کہ صاحب! ایمان کہاں کام آتا ہے اس کا کیا فائدہ ہے۔ انہیں سمجھایا نہیں جاتا کہ ایمان کس کو کہتے ہیں۔

ایمان کی تعریف اور اس کی نوعیت:

ایمان اس چیز کا نام ہے کہ سنکھیا کھانے سے ہلاکت ہو جاتی ہے۔ جسے یقین ہو کہ سنکھیا کھانے سے ہلاکت ہو جاتی ہے وہ کبھی سنکھیا نہیں کھائے گا، ایمان یہ ہے۔ ایمان یہ ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے انگلی جل جاتی ہے۔ ایمان یہ ہے کہ اگر کسی معاشرے کی بنیادیں ان چیزوں کے اوپر ہو جائیں جنہیں قرآن نے تباہی کا باعث بتایا ہے تو جس طرح سنکھیا کھانے سے فرد کی ہلاکت ہو جاتی ہے اسی طرح سے اس روش سے قوم کی ہلاکت ہو جاتی ہے۔ اس چیز پہ جو یقین ہے، اسی طرح سے یقین، جیسا سنکھیا کھانے سے ہلاکت پر ہمارا یقین ہوتا ہے، اس چیز پر یقین کہ ان جرائم سے قوموں کی ہلاکت ہوتی ہے، اسے ایمان کہتے ہیں۔ اب سوچئے کہ ایمان فرق پیدا کرتا ہے یا نہیں۔ یہ ہے ایمان۔ سوچو تو سہی کہ یہ ایمان ہے آپ کے ہاں کہیں کہ ان جرائم سے قوموں کی تباہی ہوتی ہے۔ یہ کوئی فلسفہ بیان نہیں کوئی شخص کر رہا' وعظ نہیں کوئی کہہ رہا۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہے خدا کی کتاب پر۔ ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اس قسم کے جرائم کسی قوم میں پیدا ہو جائیں گے تو وہ قوم تباہی سے نہیں بچ سکتی۔ ہے یقین اس چیز کے اوپر آپ کا؟۔ اب ہم جو اس کے متعلق بار بار مسلسل برسوں سے، چالیس برس مجھے ہو گئے یہ کہتے ہوئے کہ یہ فرق، یہی ہے ایک مسلمان ہونے میں اور غیر مسلم ہونے میں۔ اُس کا ایمان یہ ہے کہ اس قرآن کے اندر جو قوانین لکھے ہیں وہ اٹل ہیں۔ اب اگر ایک ٹکڑے کو ان میں سے آپ لے لیں، دنیا کی کوئی قوم لے لے اس ٹکڑے کو۔۔ اگر وہ اپنے ہاں یہ کہے گی کہ صاحب! واقعی زراعت کا یہ جو نظام ہے کہ اس میں ذاتی ملکیتیں ہوتی ہیں اور

عوام کی اور نوعِ انسانی کی اور مخلوق کی زندگی کا ذریعہ نہیں بنتی، وہ قوم تباہ ہوجاتی ہے۔ جو اتنے حصے کو قوم اختیار کرلے گی اس حصے تک اس کو اس کا نتیجہ مل جائے گا۔ سنکھیے سے ہندو بچے گا تو وہ بھی ہلاکت سے بچ جائے گا، مسلمان بچے گا تو وہ بھی ہلاکت سے بچ جائے گا۔ وہ کھائے گا وہ بھی مرجائے گا، یہ کھائے گا یہ بھی مرجائے گا۔

قرآنِ حکیم کے نزدیک مومن کی تعریف اور اس کی عملی زندگی:

اب جسے آپ جماعتِ مؤمنین یا پورا مومن کہتے ہیں وہ وہ ہوتا ہے کہ جو ان میں سے ایک ایک ٹکڑے پہ نہیں قرآن کی ہر صداقت پر ایسا یقین رکھتا ہے۔ یہ جو Totality ہے نا اس کی اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً (2:208) اس سے نظام بنتا ہے۔ نظامِ زندگی کسی ایک قانون سے نہیں بنتا یہ جتنے قوانین ہیں ان سب کو اکٹھا کریں گے تو پھر نظامِ زندگی بنے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ صاف مصفّٰی پاکیزہ ہوا جو ہے ممدِ حیات ہے یہ ایک قانون ہے۔ اب صاف پاکیزہ ہوا کے تو آپ قائل ہوجائیں پانی جراثیم آلود جو ہے وہ پیتے چلے جائیں یہ دوسرا قانون تھا اس کا نقصان اٹھائیں گے آپ۔ غذا ایسی کھاتے چلے جائیں جو مضرِ صحت ہو مصفّٰی پانی اور پاکیزہ ہوا کسی حد تو اپنا نتیجہ پیدا کرے گی لیکن وہ جو مضرت اس غذا سے پیدا ہو رہی ہے اس سے آپ نہیں بچ سکتے۔ جتنی چیزیں بھی اصولِ صحت کے لیے کہی جاتی ہیں ان تمام کو Totality کے طور کے اوپر اختیار کریں گے تو صحت اچھی ہوگی عمر بڑھ جائے گی۔ اتنا اتنا حصہ اختیار کریں گے تو اس حد تک تو وہ فائدہ دے جائے گا، پورا نظام نہیں آپ کا صحیح رہے گا۔

قرآنِ حکیم تو انفرادی اور اجتماعی نظامِ حیات کی شکل میں عملی جدوجہد کا متقاضی ہے:

قرآن پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ فرد اور جماعت قوم کی زندگی کے لیے جتنے قوانین وضوابط اس نے دیے ہیں کَآفَّۃً Totality ان کی جو ہے پورے کے پورے جتنے بھی ہیں اسے اپنے معاشرے کے اندر نافذ کیجیے اور پھر دیکھئے اس کے نتائج کیا برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں کیفیت یہ ہو کہ اٹھتے بیٹھتے نام تو اس کا لیا جائے اور جن چیزوں کو اس نے جرائم گنایا ہے جن سے تباہیاں واقع ہوئی ہوتی ہیں وہ ایک دو نہیں سب کی سب معاشرے کے اندر جمع کردی جائیں۔۔ یہ ایمان جسے آپ نے کہا ہے یہ تو استہزاء ہے اس کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں آپ۔۔ کہتے ہوئے کہ سنکھیا زہر آلود ہوتا ہے اور پڑیا منہ میں ڈال رہے ہیں آپ۔ قرآن کہتا ہے اپنے ساتھ فریب کرتے ہو۔ وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَھُمۡ (2:9) اپنے آپ کو فریب دے رہے ہو۔ ٹھیک ہے یہ کہتے ہوئے اگر یہ تم سنکھیا پھانکو کہ یہ ہلاکت آفریں ہے۔۔ معلوم ہوگا کہ تم اپنی ہلاکت چاہتے ہو خود تم نے خودکشی کی ہے۔ لیکن یہ فریب دے لینا کہ نہیں صاحب! یہ ممدِ حیات ہے اور اس کو پھانک لینا اور اس کے بعد ہلاکت۔۔ فریبِ نفس ہے۔ نتیجہ تو وہی بھگتیں گے۔ اسے ایمان نہیں کہتے' ایمان اسے کہتے ہیں۔ تیسرا حصہ ہمارے سامنے آ گیا ان کی معیشت کا مدار تجارت پہ تھا۔ وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاھُمۡ شُعَیۡبًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ (7:85) میں نے جو کہا ہے نا Totality اس کی ہوتی ہے پورا پورا نظام ہوتا ہے اس کے تابع تو وہ پہلا فقرہ ہے جو ہر رسول آ کے یہ کہتا تھا

اعْبُدُوا اللّٰہَ (7:85) خدا کی محکومیت۔ یعنی قوانینِ خداوندی ہی کی اطاعت کرو اور قوانین کی اطاعت نہ کروا سکے سوا کوئی اور ایسی ہستی نہیں کہ جو قوانین بنانے دینے یا ان کی اطاعت کرانے کا حق رکھتی ہے۔ پہلا ایمان تو یہ ہے یہ ہے پوری Totality ایمان کی زندگی کے ہر شعبے میں ان قوانین کی اطاعت۔ ورنہ یہ چیزیں جو ہیں کہ پرستش تو تم خدا کی کرو پوجا خدا کی کرو جو بے معنی چیز ہے۔۔ محکومیت تم انگریز کی اختیار کرو۔ یہ عبادت ہی نہیں اعْبُدُوا اللّٰہَ (7:85) کے بالکل خلاف ہے یہ کفر ہے شرک ہے۔ یہ جو چیز ہے اعْبُدُوا اللّٰہَ (7:85) یہ ہے بنیاد اس کی جو قرآن کہتا ہے۔ یہاں سے Totality شروع ہوتی ہے یہ ایمان کی بنیاد ہے اس میں۔

خدا کی محکومیت زندگی کے ہر شعبے میں اطاعت قرآنی کی متقاضی ہے:

یہ محکومیت ہے اعْبُدُوا جو ہے یہ عبادت نہیں ہے یہ پرستش نہیں ہے یہ پوجا نہیں ہے محکومیت ہے اطاعت ہے۔ زندگی کا ایک نظام ہے مملکت کا دستور ہے یہ آئین ہے یہ Constitution ہے۔ اس لیے ہر نبی پہلے ہی آ کے یہ کہتا تھا کہ زندگی کے ہر گوشے میں اس کے قوانین کی اطاعت ضروری ہے۔ اور پھر وہ ان کا وہ جرم جو تھا بنیادی جو اس وقت عام ہو رہا تھا وہ اسے ابھار کر سامنے لاتا ہے۔ اور کہتا یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں تو قوموں کی معاف ہو جاتی ہیں افراد کی بھی درخورِ عفو ہو جاتی ہیں۔ لیکن جرائم جو ہیں بنیادی وہ کبھی معاف نہیں ہوتے اسی لیے وہ بنیادی جرائم کو ابھار کے سامنے لاتا تھا۔ اس نے آ کے یہ کہا کہ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (7:85) تمہارے خدا کی طرف سے بڑی واضح تعلیم آ گئی میں تمہیں پیش کرتا ہوں تمہارے سامنے۔ بینۃ: ابھری ہوئی، نکھری ہوئی، واضح، بالکل Clear جس میں کوئی ابہام نہیں کوئی التباس نہیں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں۔ دوٹوک بات ہے یہ نہیں ہے کہ وہ برسوں تک آپ فیصلہ ہی نہ کر سکیں کہ اس تحریر کے معنی کیا ہیں۔ واضح قانون تمہارے سامنے آ گیا۔ اب ان کا وہ جرم نہیں گناتا۔ اس جرم کے متعلق جو اصلاح چاہتا ہے، اسے بیان کرتا ہے۔

قرآنِ حکیم کا معاشی نظام مکمل واضح اور ٹھوس بنیاد مہیا کرتا ہے:

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (7:85) کر و کیا؟ عام الفاظ میں تو یہ ہوا کہ ماپ اور تول کے پیمانے صحیح رکھو۔ بات یہ صرف ترازو اور باٹ تک کی نہیں ہے یہ معاشی نظام پورا وہ دیتا ہے اور وہ نظام یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی محنت کا معاوضہ ملے۔ ہر شخص سے جو کچھ تم لو اس کے بدلے میں وہ دو جو اس کا صحیح معاوضہ اور مبادلہ بنتا ہے۔ ماپ تول بھی اس کے اندر آئے گا اور بہت بڑا اکنامک کا پورا اسٹرکچر اس کے اندر آ جائے گا۔ یہ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (7:85) یہ بخس جو ہے یہ کمی کے ہی معنوں میں نہیں آتا یہ جتنی ملاوٹیں ہوتی ہیں وہ بھی اس کے اندر آ جاتی ہیں۔ جو لیتے ہو کسی سے اس کے بدل میں جو اس کو Due ہے وہ دو انہیں انسانوں کو۔ ماپ تول کی چیز ہے تو خواہ ترازو سے لے کے معاشیات کے اوپر تک چلے جاؤ نظام میں یہ حاوی ہو جائیں گے یہ

الفاظ جو قرآن نے یہ کہے ہیں۔ یہ جو کہا ہے کہ بخس نہ کرو یہ عام تول میں ملاوٹ میں یہاں سے لے کر بلند ترین اکنامکس تک یہ چیز چلی جائے گی کہ جو کسی کا Due ہے اس میں سے کچھ کمی نہیں تم کر سکتے یہ مت کرو یہاں تو اتنی سی چیز کہی ہے۔

قرآن کے معاشی نظام کی وضاحت کے سلسلہ میں لفظ تطفیف کا لغوی اور قرآنی مفہوم:

قرآنِ کریم نے دوسرے مقام پہ سورۃ تطفیف میں بڑی ہی جامعیت سے ایک بات وہ کہہ گیا ہے۔ نام ہی اس کا سورۃ تطفیف ہے مادہ ہے اس کا ط ف ف۔ مادے کے اعتبار سے آپ دیکھئے کہ قرآن کہاں بات پہنچاتا ہے۔ پہلے شروع کیا ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (83:1) تباہی آئے گی اس قوم کی جو قوم تطفیف کے اوپر اپنا اکنامک سٹرکچر رکھے گی۔ مطفف جو ہوگی تطفیف کرنے والی قوم جو ہے وہ تباہ ہو جائے گی۔ پہلے تو یہ لفظ ہی جہاں سے قرآن نے یہ لیا ہے تطفیف کہتے ہیں ایک اونٹنی یا ایک گھوڑی یا ایک جانور یا ایک بھینس ایک گائے آزادانہ جس رفتار سے چل سکتی ہے اسے اس رفتار سے نہ چلنے دینا اس کے پاؤں کو ایسا باندھ دینا کہ جتنا تم چاہو کہ وہ چلے بس اتنا تو چلے اس سے آگے نہ چل سکے۔ کہتا ہے کہ کوئی ایسا نظام جو انسانوں کو اس طرح سے باندھ دے کہ ان کی صلاحیتیں اتنی ابھریں جتنی تم چاہو وہ اسی حد تک آزاد رہیں جس حد تک تم آزادی دینا چاہے وہ اتنا ہی اپنا Due سمجھیں جو تم Due مقرر کرو اس کا۔ آپ غور کرتے ہیں عزیزانِ من! کہ یہ زبان کیا تھی قرآن کا انتخاب کیا ہے!! کس طرح سے ہر دور میں وہ لفظ کا بنیاد جو ہے ہر دور میں کس طرح سے اپنے معنی دیتا چلا جاتا ہے۔ یہ کیا چیز تھی کہ اونٹنی کو اتنا نہ چلنے دو جتنا کہ وہ پوری آزادی سے چل سکتی ہے ایسے پاؤں باندھو کہ تمہاری مرضی کے مطابق چلے وہ۔ اونٹنی کو پہلے باندھ کے محتاج بنا دیتے ہیں نا باہر چرنے دیں تو پھر تو اونٹنی پاؤں نہیں بندھواتی۔ پہلے تو چارے کے لیے اس کو محتاج اپنا بناتے ہیں پھر اس کے بعد اس کے پاؤں باندھتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ پھر وہ پاؤں باندھ باندھ کے تو وہ عادی اتنا ہو جاتے ہیں یہ ایک دو جنریشن کے بعد۔۔

ذہنی غلامی کے سلسلہ میں گدھوں کے پاؤں میں رسی کی ایک سبق اموز مثال:

وہ بڑی مزیدار بات ہے یہ۔۔ یہ جو خرکار ہوتے ہیں جن کے گدھے ہوتے ہیں وہ گدھے ہوتے ہیں ان کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں' دن بھر ان سے کام لیتے ہیں شام کو آ کے اپنے وہ کیمپ کے باہر ان کو کہیں باندھنا ہوتا ہے کہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔ تو ان کے پاؤں میں وہ اس طرح سے وہ رسی باندھ دیتے ہیں۔ اب وہ ہوتے ہیں سینکڑوں کی تعداد میں' رسیاں کم ہو جاتی ہیں کہ ہر ایک کے پاؤں میں باندھیں۔ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک آدھ کے پاؤں میں رسی باندھی دوسرے کے پاؤں میں یوں یوں اِشاروں سے کر دیا اور وہ گدھا سمجھتا ہے کہ بندھ گیا میں اور وہ ساری رات کھڑا رہتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد قوموں کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ سچ مچ کی رسی نہیں اس کو باندھتے' وہ کہتا ہے اس سے کہ رسی ہے نہیں' وہ کہتا ہے یوں یوں کر دو'' او یوں یوں کر دین نال ای بدھ جاندے ہیگے''۔ جی! جتنی عقیدت مندیوں سے چوہدری صاحب بندھتے ہیں نا'' او

ایسے طراں نال بندھے ہیگے نیں' او رسیاں نہیں ہوندیاں ہیگیاں'' ذہنی ہوتی ہیں وہ' وہ خود گدھا اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے اس رسی کو اور بندھتا ہے اس کے ساتھ۔ دو تین جنریشن کے بعد قوموں کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے۔ جب مزدور کو آپ کہتے ہیں کہ ''جی! آج کل کی اجرت ہے'' وہ کہے تین روپے ہر روز یعنی وہ اتنا عادی ہوتا ہے وہ پوچھتا ہی نہیں ہے کہ صاحب! یہ تین روپے روز آپ کیوں کہہ رہے ہیں کس حساب سے کہہ رہے ہیں ''او جی ایہو آج کل بھا اے اجرت دا نکلیا ہویا ہیگا'' وہ یوں یوں آپ کر دیتے ہیں وہ بندھا ہوا ہے صاحب۔

تطفیف اور مطففین کے الفاظ کی عملی شکل اور اس کی پھیلائی ہوئی تباہ کاریوں کا دَرک نیز لفظ كَالُوْهُمْ کا مفہوم

آپ دیکھتے ہیں تطفیف کے معنی کیا ہو گئے۔ ایسی رسیاں باندھ دینا کہ شروع شروع میں تو خیر رسی باندھنے کی ضرورت پیش آئے اس کے بعد اس رسی کی بھی ضرورت پیش نہ آئے بس اسے یوں یوں کر دیجیے اور وہ کھڑا ہے صاحب۔ کس قدر انسانیت کو کچل کے رکھ دیا جاتا ہے تطفیف کے ذریعے سے۔ آپ سوچتے ہیں یہ سورۃ تطفیف کے لفظ کے معنی کیا ہو گئے۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (83:1) یہ سارے مطففین سمجھتے ہیں کہ صاحب! بڑا کاروبار ہمارا Paying Concern ہے بڑی آمدنیاں ہوتی ہیں۔ کہتا ہے تباہیاں ہوتی ہیں۔ انسانیت کو رسیاں باندھ کے جکڑ کے رکھنا اور اس سے فریب اپنے آپ کو یہ دے لینا کہ اس سے مرفع الحالی حاصل ہوتی ہے عروج حاصل ہوتا ہے ترقی حاصل ہوتی ہے Progress ہو رہی ہے قوم کی ۔۔ کہتا ہے غلط ہے۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ تباہی ہے ان کے لیے۔ کون ہیں یہ؟ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ (83:2) پہلی آیت میں تو اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ کہا۔ یہ تو عربی قاعدے کے مطابق ٹھیک چیز ہے کہ جب دوسروں سے لیتے ہیں وہ يَسْتَوْفُوْنَ پورا پورا باون تولے تین رتی تک جناب۔ آٹھ گھنٹے اگر ہیں تو درمیان میں وہ حقے کا کش نہیں لگانے دیتا وہ۔ وہ ان میں سے ہی ایک شخص کو آٹھ آنے زیادہ دے کے میٹ بنا دیتے ہیں ''پوچھو نا فیر او میٹ کر دا کی رہندا ہیگا اے''۔ نچوڑ لیتے ہیں آخری قطرے تک يَسْتَوْفُوْنَ لیتے ہیں تو اس طرح سے۔ وَاِذَا كَالُوْهُمْ (83:3) عربی کے مطابق وہی لفظ ہے كال اور جب دیتے ہیں پہلی چیز تو یہ ہے ویسے تو كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (83:3) یہ کہا ہے کہ جب وہ دیتے ہیں (عام معنی میں) پیمائش سے دیں یا تول کے دیں۔ خسر کے معنی ہوتا ڈنڈی مار جانا۔ تو اسمیں ڈنڈی مار جاتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک اور بڑی اعجاز کی چیز ہے جو قرآن نے کہی ہے۔ یہاں اشیاء نہیں کہا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ (83:3) جب وہ انسانوں کو ماپتے اور تولتے ہیں۔

مزدور کی مزدوری کے تعین اور انسانوں کو تولنے کا معاملہ:

ان کا کبھی وزن برابر نہیں بتاتے۔ خود انسانوں کو جب وہ ماپتے اور تولتے ہیں۔ بات تو اشیاء کے ماپ تول سے ہوئی تھی

اور آگے بات یہاں تک چلی کہ خود جب وہ انسان کو ماپتے اور تولتے ہیں تو وہاں بھی وہ ڈنڈی مار جاتے ہیں۔ کبھی ان کا وزن برابر نہیں دیتے صاحب۔ یہ چیز کہ اس مزدور کی مزدوری چار روپے روز ہے یا تین روپے روز ہے کس پیمانے سے ماپا تم نے کس ترازو میں تولا ہے تم نے اس کو۔ خود ہی گھر سے پیمانے بنا کے لے آئے خود ہی میزانیں گھڑ کے لے آئے۔ جب انہیں تولتے ہیں یا انہیں ماپتے ہیں تو کبھی پھر وہ پیمائش صحیح نہیں ہوتی۔ کلرک کی تنخواہ سو روپیہ ہوگئی صاحب۔ اور اس کے بعد ایک Advertisement ہوتا ہے تو ایک اسامی کے لیے دس ہزار جاتا ہے۔ یہ سو کیا ہے؟ سو یہ ہے کہ اتنا بھوکا مارا ہے اس دس ہزار کو کہ جو بھی آفر کر دیں گے وہ غریب آئے گا اس کو Accept کرنے کے لیے یہ ہے تطفیف۔ اس طرح سے کہ آپ نے ان کو جکڑ دیا پہلے رسیاں باندھ کے ان کو' اتنی تعلیم جو آپ کو دی ہے یہ ساری رسیاں باندھنے کی تعلیم ہے تطفیف کی تعلیم ہے وہ' بیکار کر کے رکھ دیتے ہیں۔ جوق در جوق نکالتے چلے جاتے ہیں لاکھوں کی تعداد میں نکالتے چلے جاتے ہیں بیکار بیچارے' ایک دن کی روٹی کمانے کے قابل نہیں ہوتے۔

سپلائی اینڈ ڈیمانڈ کے سلسلے میں ایجوکیشن کے سسٹم کا حشر اور لفظ بعثت کا مفہوم:

تطفیف تو یہ ہوتی ہے آپ کے ہاں ان درسگاہوں کے اندر اور باہر آنے کے بعد پھر آپ کے ماپ اور تول بکتے ہیں آپ' قیمتیں وہ مقرر کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ وہ قدیم عہدِ جہالت کی جو غلامی تھی جس میں انسان کو کھڑا کر کے بولی دے کے نیلام کر کے بیچتے تھے۔ ظلم یہی تھا نا کہ اس کو کوئی حق حاصل نہیں تھا یہ کہنے کا مجھے ہزار روپے میں کیوں بیچ دیا ہے۔ یہ لفظ جو ہے بخس کا۔۔ حضرت یوسفؑ جب نیلام ہوئے ہیں بکے ہیں وہاں لفظ آیا ہے نا یہ۔ دیکھا کہاں لفظ آیا ہے یہ کہ اس کو حق حاصل نہیں تھا یہ کہنے کا کہ میں کتنے میں بک رہا ہوں۔ اس ایک کلرک کو حق حاصل ہے وہاں یہ کہنے کا کہ صاحب! میرے دن بھر کی محنت کا معاوضہ یہ تین روپے روز یا سو روپیہ مہینہ کیوں مقرر کیا جاتا ہے۔ میرے ساتھ میز کے اوپر میرے جیسا بیٹھا ہے مجھ سے کم نمبر لیے تھے اس نے امتحان کے اندر میں نے زیادہ نمبر اس سے حاصل کیے تھے اس کو آپ دو ہزار روپیہ دے رہے ہیں۔ بکنے والے کو اس کا حق حاصل نہیں ہے اس لیے کہ سپلائی اینڈ ڈیمانڈ سے یہ سارے فیصلے ہوتے ہیں۔ سپلائی اتنی بھرپور کرتے چلے جاتے ہیں احسان ہو رہا ہے قوم کے اوپر کہ صاحب! بڑا ایجوکیشن کا سسٹم ہم نے یہ کر دیا۔۔ نکالتے چلے جاتے ہیں تطفیف۔ اور اس کے بعد پھر یہ بکنے والا اس کو اس کی اجازت ہی نہیں کہ وہاں کھڑا ہو کے بولے' بولے اور باہر گیا۔ آپ دیکھتے ہیں كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ (83:3) جب انہیں انسانوں کو یہ ماپتے ہیں اور تولتے ہیں يُخْسِرُوْنَ اور چودہ سو سال پہلے عزیزانِ من! کہا جب کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا کہ یہ نظام بھی ایسا ہے کہ یہ ٹوٹے گا۔ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ (83:4-5) کہا: کیا یہ لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں اس فریبِ نفس میں مبتلا ہیں کہ انہیں کوئی راستے سے ہٹانے والا نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو تراجم نے پتہ نہیں کہاں سے کہاں بات پہنچا دی۔ بس بعث اور مَّبْعُوْثُوْنَ (83:4) آئے اور قیامت تک انہوں نے بات اٹھا دی کہ کیا ان کو اس کا ایمان نہیں ہے کہ یہ مرنے کے بعد

اٹھائے جائیں گے۔ اومرنے کے بعد اٹھانے والی بات تو وہ دیکھی جائے گی۔۔ یہ چیز تو ان کو نہیں ڈراتی۔ اور اگلی آیت نے تو واضح کر دی بات۔ بعث کے معنی ہوتا ہے کسی کے راستے میں جو سنگِ گراں ہوں اس کو ہٹا کے آزاد کر دینا۔ وہ رسیاں جو انہوں نے باندھی تھیں ان کے پاؤں کے اندر۔۔ توڑ کے رکھ دینا ان رسیوں کو۔۔ بعث یہ ہوتا ہے عزیزانِ من!۔ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اسی طرح سے رسیاں بندھی ہوئی رہیں گی یہ سنگِ گراں جو راستے میں اس طرح سے بیٹھے ہیں یہ وہاں سے ہٹائے نہیں جائیں گے۔ ہٹائے جائیں گے۔ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (83:5) ایک بہت بڑا انقلاب آنے والا ہے جس میں ہٹائے جائیں گے۔ کیا انقلاب ہوگا؟ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (83:6) جب پوری انسانیت جو ہے کچلی ہوئی وہ ربوبیتِ عالمین کے لیے اٹھ کھڑی ہوگی۔ واہ واہ واہ!!!۔ وقت ہوتا تو جی چاہتا تھا کہ ساری صورت آپ کے سامنے پھر میں لاتا کہ کیا کیا آگے بات کہی ہے۔ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ (83:7) یہ ان کے بڑے بڑے رجسٹر ان کی اکاؤنٹس بکس ان کی چیک بکس ان کے یہ سارے جتنے بھی لیے پھر رہے ہیں کیا حشر ہوگا ان کا؟ پھٹے ہوئے ورق اڑتے پھریں گے فضا کے اندر، پانچ سو کے نوٹ کی قیمت کوئی نہیں باقی رہے گی۔ بات میں تطفیف کی کر رہا تھا اسے اس نے کہا ہے نظامِ تطفیف۔ اسے اس نے کہا ہے حضرتِ شعیبؑ آئے اور انہوںؑ نے آ کے یہ کہا کہ یاد رکھو! یہ انداز جو تمہارا ہے محنت کا معاوضہ پورا نہیں دیتے۔ شے کسی کو دیتے ہو تول میں بھی کم خالص بھی نہیں۔ انسانوں کو جب ماپتے ہو تو لتے ہو تو جو اس کے جوہر اور صلاحیت کی بناء پر اسکی قیمت ہونی چاہیے کبھی وہ قیمت اس کو نہیں دیتے۔ ایسا نظام قائم کرتے ہو وہ کہ وہ اپنے جوہر کی قیمت مانگ نہ سکے جس قیمت پہ تم خریدنا چاہو غلام کی طرح خاموش کھڑا ہو اور بک جائے آپ کے سامنے۔ اس فرق کے ساتھ کہ غلام کی ہر وقت یہ خواہش اور کوشش رہتی تھی کہ میں کسی طرح سے آزاد ہو جاؤں۔ اور اس غلام کی ہر وقت یہ تمنا اور دعا ہوتی ہے کہ یا اللہ! کہیں یہ ملازمت چھوٹ نہ جائے۔ کس طرح سے پاؤں باندھے ہیں انہوں نے کہ ساری عمر اس خواہش میں نکل جاتی ہے کہ اس غلامی سے کہیں آزادی نہ مل جائے۔ کہیں اگر کھٹکا سا بھی ہوتا ہے کہ لگے نکالنے تو پوچھو نہیں پھر یہ کیا دعائیں مانگتا ہے فرمائشیں لے جاتا ہے۔ کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اگر وہ 55 پہ ریٹائر کر دیا ہے تو اس دوران میں LPR Leave Pre Retiremen پہ جو گئے ہیں ان بیچاروں کی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح سے کچھ اس میں Extension ہو جائے۔ اب جو سنا ہے کہ 58 سال تک ہو گئے ہیں تو یہ خوش ہو رہے ہیں، عرضیاں دے رہے ہیں کہ صاحب! جلدی سے ہمیں واپس بلا لیجیے۔ یہ کیفیت کر دی جاتی ہے اس غلامی کے اندر۔

لفظ فساد کا مفہوم جنگ و جدل نہیں بلکہ ناہمواریوں کا پیدا کرنا ہے

عزیزانِ من! انسانوں کو کچلنے کے لیے کوئی ایک ایک حربہ استعمال ہوتا ہے اس نظامِ تطفیف کے اندر۔ یہ تھا وہ نظام جس کے متعلق کہا لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ (7:85) آپ دیکھتے ہیں فساد کا لفظ کہاں آتا ہے۔ کہیں جھگڑا نہیں تھا دنگا نہیں تھا کوئی سر نہیں پھاڑ رہا تھا کچھ نہیں کر رہا تھا۔۔ فساد کہا ہے اس کو۔ ناہمواریاں مت پیدا کرو بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (7:85) خدا کے نظام

کے تابع جو بھی پہلا نبیؑ آیا تھا اس سے پہلے وہ اصلاح کر گیا تھا نا یہ تفریق مٹا گیا تھا نا۔ اس کے بعد پھر تم نے یہ روش اختیار کر لی ۔کہا جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں یہ کوئی میرا بھلا نہیں ہے میں کسی فرم کا ایجنٹ ہو کے نہیں تمہارے پاس آیا کہ اس کے لیے پبلسٹی کچھ کر رہا ہوں کہ یہ مال بڑا ناقص ہے اس کو چھوڑ دو۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ (7:85) یہ تمہارے بھلے کی بات ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ بظاہر تو یہ نظر آئے گا وہ بھی کہتے ہونگے بائیس خاندانوں کی طرح کہ صاحب! کیا بھلے کی کہہ رہے ہو یہاں ہم Millionare ہوتے چلے جاتے ہیں تم کہتے ہو یہ سارا نظام غلط ہے صاحب ! چھوڑ چھاڑ کے ان کے برابر ہو جاؤ ۔ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ (7:85)۔لیکن اس سمجھنے کے لیے ایک شرط لگا دی انہوں نے اور وہ شرط وہی ہے جو ابھی ابھی میں عزیزانِ من! کہہ رہا تھا۔

اس چیز پر یقین کرنا کہ سنکھیا ہلاکت آفرین ہے'

اس کا نام ایمان ہے لیکن اس کے باوجود عملی زندگی کا انداز

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (7:85) اگر تم یقین کر لو کہ سنکھیا ہلاکت آفریں ہے تو پھر تمہارے لیے یہ چیز مفید ہو جائے گی جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔ اور اگر یہی یقین نہیں ہے تو پھر تم خودکشی کرو پھر تمہاری موت یقینی ہے۔ 'بچنا چاہتے ہو موت سے اگر' یہ ہیں ایمان کے معنی۔ کیوں ہے یہ اصلاح تمہاری' ہے یہ یقین اس چیز پہ' چاہتے ہو بچنا؟ بچنا چاہتے وہ تو جو میں کہہ رہا ہوں تمہارے بھلے کی بات ہے۔ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (7:86) کہتا ہے تمہاری کیفیت یہ ہے کہ صرف دوکانوں کے اوپر بیٹھ کے ہی یہ کچھ نہیں کرتے امپورٹ ایکسپورٹ کے دفتر کے اندر ہی یہ کچھ نہیں ہو رہا۔ کیفیت یہ ہے کہ ہر بڑے راستے کے اوپر بیٹھے ہوئے ہو سمگلنگ کے لیے۔ اور جو بھی تمہیں اس سے روکنے والا ہوتا ہے تُوْعِدُوْنَ دھمکاتے ہو۔ ایسے انتظامات تم نے کر رکھے ہیں ڈراتے ہو انہیں دھمکاتے ہو انہیں۔ اور پھر تو قتل بھی کروا دیتے ہو یہ بھی تو عام ہو جاتا ہے۔ ہر شاہراہ کے اوپر بیٹھے ہوئے ہو' کن کے لیے؟ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (7:86) جو بیچارہ چاہتا ہے کہ نیک نیتی سے ایمانداری سے دیانتداری سے کچھ تجارت کر لوں کہتا ہے اس کے راستے کے اندر وہ رکاوٹیں تم ڈالتے ہو تباہ ہو کے بیٹھ جاتا ہے وہ بیچارہ۔ بس میں نہیں ہوتا کہ تم اس کو زندہ چھوڑو۔ تَصُدُّوْنَ خود یہ کرتے ہو ان کے راستے میں یہ کچھ کرتے ہو۔ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (7:86) چاہتے یہ ہو کہ یہ راستے قانون کی رو سے تو وہی کچھ ہوں لیکن ان میں اس قسم کی پیچیدگیاں پیدا کرو ان کے اندر سے ایسے چور دروازے پیدا کرو کہ قانون کے الفاظ بھی اپنی جگہ باقی رہیں اور تم یہ سب کچھ کرتے رہو۔ یہ چاہتے ہو تم۔ کہا ذرا سوچو تو سہی وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ (7:86) جب آئے تھے۔

ہمارے ہاں کی متضاد زندگی کی کیفیت کا انجام:

1947ء میں' کہا اس حالت کو اپنے یاد رکھو! کس کیفیت میں یہاں تم آئے تھے۔ پھر یہاں آ کے اس نے کس کثرت

سے تمہیں یہ سب کچھ دیا سو چو تو سہی۔ اب وہی یہ تمہیں کہہ رہا ہے کہ یہ انداز جو تمہارا ہے اس کے تقسیم کا اس سے تباہی آ جائے گی تمہاری' اس سے نہیں تم رکتے۔ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (7:86) اب تم مجھے کہتے ہو کہ صاحب! کس طرح تباہی ہوگی' کہا میں اب یہ تمہیں تمہارا انجام تو کسی طرح سے لا کے دکھا نہیں سکتا وہ تو آنے والا ہے۔ اس سے پہلے جنہوں نے یہ کچھ کیا تھا میں ان کا ہی انجام تمہیں دکھا سکتا ہوں نا ان کا انجام دیکھ لو کہ کیا ہوا تھا۔ لیکن جس قوم کی حالت یہ ہو کہ ہر جانے والے کا انجام سامنے ہو ہر آنے والا وہی کچھ کر رہا ہو۔ وہ ایک ہی چیز پیش کر سکتے تھے وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (7:86)۔ کہا تمہاری حالت یہ ہے کہ معاشرے میں چونکہ تمہیں قوت حاصل ہوگئی ہے دولت کی بناء پر تم نے ان چیزوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُ (7:87) کہا کیفیت یہ ہے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہے کہ جو ان باتوں کی صداقت پر ایمان لے آیا ہے وہ کہتا ہے کہ ٹھیک ہے یہ چیز۔ تم ہو کہ ان کے خلاف محاذ بنا کے کھڑے ہو گئے ہو کہ نہیں چلنے دیں گے۔ سو چو تو سہی کہ یہ تمہیں بچانے والے جو ہیں انہیں تم اپنا بدترین دشمن سمجھ رہے ہو۔ اب میں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہی چیز جو پھر ہر رسول ایسے مقام پہ کہتا ہے اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (11:93) پھر یہ ہے کہ مجھے اپنے پروگرام کے مطابق کام کرنے دو تم اپنی اس روش پہ چلتے جاؤ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون تباہی کے جہنم کے اندر گر گیا ہے۔ اتنا تو کرو اتنی تو اجازت دو فَاصْبِرُوْا اس چیز کے اوپر تو التزاماً تم قائم رہو جو میں کہتا ہوں۔ میں Interfere نہیں کرتا تمہارے اس معاملے میں لیکن تم مجھے تو اسکی اجازت دو کہ میں اپنا پروگرام یہاں اپنے چھوٹے سے حلقے میں نافذ کر سکوں۔ کبھی اجازت نہیں دیں گے۔ انہیں پتہ ہے کہ اگر یہ دیانتداری کا نظام کسی چھوٹے سے حلقے میں بھی قائم ہو گیا تو ان کی یہ فریب کاریاں باقی نہیں رہ سکتیں۔

سچائی پر مبنی عملی زندگی کا واضح محسوس فرق:

کہتا ہوں اگر کسی طرح سے ایک دیانتدار دوکاندار محلے کے اندر کسی طرح سے ان کی مخالفت کو برداشت کر جائے اور لوگوں کو یقین ہو جائے کہ اس کے ہاں خالص چیز ملتی ہے مناسب داموں ملتی ہے ماپ تول صحیح ہوتا ہے پھر آپ دیکھئے کہ اردگرد کے دوکانداروں کا بھٹہ کیسے بیٹھتا ہے۔ وہ الگ بات ہے نا کہ ان کے حربے ایسے ہوتے ہیں کہ پولیس کے ساتھ ملے اور اس کی دوکان کے اندر انہوں نے کوکین کی ایک پڑیا ڈالی اور صبح وہ بیچارہ حوالات کے اندر۔ لیکن اگر اس معاہدے پہ وہ کاربند رہیں کہ تم جس طرح سے جی چاہے اپنے ہاں دوکانوں پہ بیچو میرے ہاں Interfere نہ کرو میں نقصان اٹھاؤنگا تو میں اٹھاؤنگا نا۔ مجھے اپنی روش کے اوپر چلنے دو۔ ایماندار دوکاندار کو اگر یہ اجازت دیدیں کہیں تو آپ دیکھئے تو سہی جیسا میں نے عرض کیا ہے ان کا بھٹہ بیٹھ جاتا ہے۔ کہتا ہے تم یہ بھی نہیں کرنے کے لیے تیار ہوتے۔

نتائج کے لحاظ سے سچائی کسی کی آرزوؤں کی محتاج نہیں ہوئی:

تو کہا کہ بہرحال اتنا ہی کرو کہ تم Interfere نہ کرو مداخلت نہ کرو۔ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا (7:87) تا آنکہ خدا کا قانون تم میں اور ہم میں فیصلہ کر دے کہ کونسا نظام صحیح تھا کونسا نظام بہتر تھا۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ (7:87) بہترین فیصلہ تو اس کے قانون ہی کر سکتے ہیں میری اور تمہاری آرزوئیں تو نہیں کر سکتیں۔ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ (4:123) نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق نہ تمہارے مخالفین کی آرزوؤں کے مطابق۔ قانون کے فیصلے آرزوؤں کے تابع ہوتے ہی نہیں ہیں صاحب! وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ دلائل آپ نے سن لیے۔ کوئی جواب ہے اس کا صاحب ان کے پاس۔ جواب سن لیجیے۔ بات کوئی کم از کم پانچ ہزار سال پہلے کی تو ہو رہی ہے چار پانچ ہزار سال پہلے کی۔ جواب سنئے تو نظر آ رہا ہے نا کہ آج صبح کے اخبار میں یہ نکلا ہوا تھا۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ (7:88) اس قوم کے وہ کہ جن کے بینک بھرے ہوئے تھے دولتوں سے اور اس کی بناء پر انہوں نے یہ اپنے ہاں کی یہ عزت اور قوت حاصل کر رکھی تھی۔ یہ ہے اسْتَكْبَرُ میں نے کہا تھا پچھلی دفعہ بھی عجیب الفاظ ہیں یہ۔

ایسی قوت جو قوانین خداوندی کے سہارے قائم نہ ہو اس کی بنیاد تو ریت پر قائم ہوتی ہے:

اس کی بناء پر یہ انہوں نے جو قوت حاصل کی تھی خود کوئی قوت حاصل نہیں تھی۔ یہ جو تھے معاشرے کے اندر صاحبِ اقتدار چونکہ وہ صاحبِ ثروت تھے جواب ان کا کیا تھا؟ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (7:88) یا تو یہ روش چھوڑ کے وہی روش اختیار کرو جو ہم کہتے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو گاؤں سے باہر نکال دیں گے یاد رکھو! بستی سے باہر نکال دیں گے۔ تم ہوتے کون ہو یہاں ایمان اور دیانتداری کی تلقین کرنے والے ہماری روش کے خلاف ایک نظام قائم کرنے والے' ایمانداری کی دوکان کھولنے والے' ہم اجازت دیتے ہیں تمہیں؟؟۔ یا تو وہی روش اختیار کرو جو ہم کیے بیٹھے ہیں ویسا ہی کرو وہی 420 اسی قسم کی تطفیف ہمارے ساتھ ملو پھر ہم ہر طرح سے تمہاری مدد کریں گے۔ اور اگر یہ نہیں کرو گے لَنُخْرِجَنَّكَ اپنی بستی سے باہر نکال دیں گے ہم۔ یہ باہر نکالنے کے طریقے تو پھر کئی ہیں۔ آج کل سچ مچ باہر نہیں نکالا جاتا اندر ایسے گھیر لیا جاتا ہے کہ وہ باہر ہی ہو جاتا ہے۔ تمہیں اس کی اجازت نہیں پھر دی جائے گی کہ تم اپنے طور پہ یہ کچھ کرتے رہو۔ اجازت نہ دینے کا اس زمانے کا Crude طریقہ یہ ہوگا کہ انہیں بستی سے باہر نکال دیتے تھے۔ پھر بھی اچھا تھا باہر نکالتے تھے کہیں جا کے تو وہ بیچارہ سانس لے سکتا تھا آزادی کی فضا میں۔ یہاں کی تو یہ کیفیت ہے کہ کرتے وہی ہیں عملاً جو نتیجہ وہی ہو کہ وہ یہ کچھ کر نہ سکے اور وہ یہ کہ یہاں بھی نہ کر سکے کہیں اور جا کے بھی نہ کر سکے۔ وہ جو قرآن نے کہا ہوا ہے وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (2:167) یہ جہنم جس میں سے تم ہزار بار نکلنا چاہو نکل نہ سکو وہاں سے۔ پاسپورٹ ہی ضبط ہو جاتا ہے باہر بھی نہیں جا سکتے۔ کہا یا تو ہمارے جیسی روش اختیار کرو ورنہ (اس زمانے کی اصطلاح کے مطابق) ہم تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں گے اے شعیبؑ۔ تمہیں بھی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ

مِلَّتِنَا (7:88) یعنی آپ دیکھئے نا رہنے کی شرط کیا ہے۔۔ یہاں رہنا ہے ہمارے جیسے ہو کے رہو۔ آپ دیکھتے ہیں قدم قدم پہ یہ چیز ہو رہی ہے۔ آپ کے ہاں بھی یہ جو اس نظام والے یہ بڑے بڑے تاجر یہ سوداگر یہ بزنس مین یہ کامرس والے یہ انڈسٹریلسٹ وغیرہ ہیں ان کی ایک برادری اپنی ہوتی ہے۔ یہ جو ہے نا کہ ہم میں سے ہو کے رہے وہ یہ چیز ہے' پھر ٹھیک ہے۔ اور اس سے الگ اگر سوچتے ہو کرتے ہو تو پھر اس کی اجازت نہیں ہم دے سکتے تمہیں' جواب صرف اتنا ہے۔

قرآنِ حکیم حق بات کو کسی جبر کے ساتھ دوسروں پر مسلط کرنے کی اجازت نہیں دیتا:

کیا بات ہے صاحب۔ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ (7:88) کہا کہ پہلی چیز تو یہ تم کہتے ہو نا کہ صاحب! یہ بزنس ہے تجارت ہے یہ آزادی ہے۔ تو کہا کہ یہ ہماری آزادی تم سلب کرتے ہو کہ جو چیز ہم نہیں آزادانہ کرنا چاہتے مجبور کرا کے وہ کرا رہے ہو ہم سے۔ وہی لفظ ہے کراہت کا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (2:256) جسے کہا ہے مجبوراً تو یہ چیز نہیں کرائی جا سکتی۔ ہمیں مجبور کرتے ہو کہ ہم تمہاری روش اختیار کریں۔ اور اُس زمانے کا جبر تو میں نے کہا ہے نا یہ جبر ہے کہ باہر نکال دیتے تھے یا پکڑ کے وہ وہیں صلیب پہ ٹانگ دیتے تھے۔ اِس دور کے جبر تو پوچھو نہیں کہ ان کی نوعیتیں کیا ہیں۔۔ اس قسم کی وہ زنجیریں ہیں کہ وہ نظر ہی کہیں نہیں آتیں وہ زنجیریں کہیں اور اس میں تار تار جکڑا ہوا ہوتا ہے انسان۔ كٰرِهِيْنَ کی یہ کیفیت ہے۔ وہ جو بدقسمتی سے یہ تجارت کرنے والے یا یہ Industrialist یا بزنس والے کوئی تھوڑی سی ضمیر کے اندر سچائی کی رمق رکھتے ہیں ان سے پوچھو جا کے کہ كٰرِهِيْنَ کے معنی کیا ہیں۔ یعنی کس طرح ان کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ان کی روش کے اوپر چلیں۔ پانچ ہزار سال پہلے کی بات ہے عزیزانِ من!

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللہی وہی مرحبی وہی عنتری

اور

بدل کے بھیس زمانے میں پھر آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات

نماز و روزہ کے وسیع تر مفہوم کو محدود کرنے کی شکل و صورت کا نتیجہ:

دیکھتے ہیں یہ جو میں کہہ رہا ہوں نظر آتا ہے جیسے آج کی بات ہو رہی ہے۔ كٰرِهِيْنَ' یہ كٰرِهِيْنَ کے اندر یہ ہمارے ہاں جو ہے نا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (2:256) کہا یہ گیا کہ صاحب! یہ ٹھیک ہے دین کے تو معنی نماز روزے والی بات ہے نا بس۔ نماز روزے کی آزادی ہونی چاہیے اس میں اگر کوئی رکاوٹ ہو تو مداخلت فی الدین ہو جاتی ہے۔ مسجد کا رخ سیدھا کرنے کے لیے اگر انہوں نے دیوار ذرا سی موڑ لی ہے ایک شور مچ جاتا ہے۔ مداخلت فی الدین ہے صاحب یہ۔ یہ جو چیزیں ہو رہی ہیں اس کا تعلق نہ دین سے ہے نہ یہ اس میں مداخلت ہے۔ یوں شعبے الگ کیے انہوں نے اور یہ ایسا کرنے

والے جتنے بھی نظام ہیں نا بڑی احتیاط برتتے ہیں کہ ان کے ان معاملوں میں جسے یہ دین کہتے ہیں اس میں مداخلت نہ کی جائے۔ بلکہ ایسا کچھ کیا جائے کہ اور اس کی تائید کرتے چلے جائیں اور ان کے ساتھ ملتے چلے جائیں عطیے دیتے چلے جائیں ان کے ساتھ ہوتے چلے جائیں مسجدیں بنواتے چلے جائیں۔

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے

جسے وہ ان کا دین قرار دیتے ہیں۔ اور ایک یہ تھا وہ دین جس میں یہ کہا ہے کہ جبر ہے اس معاملے کے اندر؟۔ یہ جو میں نے ابھی بات کی ہے نا کہ یہ جو فرق وہ کر دیتے ہیں دین کو مذہب جب بنایا اور وہاں صرف بات آئی پرستش کی اور پرستش کے معاملے میں یہ بالکل مداخلت نہیں کرتے۔ پھر عرض کروں کہ عزیزانِ من! بات پانچ ہزار سال پہلے کی ہو رہی ہے۔ آگے ذرا چلئے سورۃ ھود میں آیئے وہاں یہ قصہ آیا ہے۔ ساری چیزیں پیچھے سے قرآن یہی کچھ کہتا چلا آ رہا ہے آگے ایک بڑی عجیب چیز لایا ہے۔ وہ جو میں نے قرآن کا انداز بتایا ہے نا Suggestiveness اسکے اندر ہوتی ہے ایمائیت ہوتی ہے بڑی خوبصورت ہوتی ہے وہ پوری تفصیل کہانی کی آپ نہیں بیان کرتا۔ آپ کی فکر پہ بھی چھوڑتا ہے کہ درمیان کی کڑیاں آپ خود اس میں رکھ لیں۔

حضرت شعیبؑ کی طرف سے پیش کردہ تصور دین کی مخالفت کے علاوہ ہندو کی طرف سے تحریکِ پاکستان کے ایشو پر بدشگونی اور اپنوں کی مخالفت کی وجہ:

بات یہ نظر آئی کہ حضرتِ شعیبؑ جب یہ پیغام لے کے اٹھے تو وہ بہرحال خدا کے نام پہ جسے آپ کہتے ہیں مذہب کے نام پہ اسی حیثیت سے وہ اٹھے ہونگے۔ انہوں نے بھی یہ کہا ہوگا کہ ٹھیک ہے کوئی مذہب پرست انسان ہے بزرگ اللہ والے۔ وہ تو بڑے معصوم ہوتے ہیں نا۔ اس لیے کہ وہ ان معاملوں میں تو دخل نہیں دیتے۔ ان کے ہاں سے تو اگر خیرات ملتی رہتی ہے زکوٰۃ ملتی رہتی ہے تو ان کے حق میں یہ دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ ان سے یہ لوگ تعرض نہیں کرتے۔ وہ آزادی کی یہ ضمانت دیتا ہے ہندو وہ کہتا ہے لکھالو مجھ سے کہ میں تمہارے نماز روزے حج زکوٰۃ ان میں کبھی مداخلت نہیں کرونگا مسلمانوں کو Personal Laws کی پوری پوری آزادی ہوگی۔ تو یہ لوگ یہ کل کی بات ہے ان کا اتنا ضخیم لٹریچر موجود ہے طلوعِ اسلام کی جنگ ان کے ساتھ اس ایشو کے اوپر تھی۔ وہ کہتے تھے کہ جب یہ آزادی دیتا ہے تمہیں مذہب کی تو پھر تمہیں یہاں تکلیف کیا پہنچے گی دکھ کیا تمہیں ہوگا کیوں الگ مملکت اپنے مانگتے ہو۔ یہ تھی وہ چیز جس پہ علامہ اقبالؒ نے یہ کہا تھا کہ

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ کہتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

دین اسلام کی آزادی اور مذہب کی آزادی میں بنیادی فرق:

سجدے کی اجازت اور اسلام کی آزادی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اسلام تو الدین ہے وہ تو ماپ اور تول کی آزادی بھی چاہتا ہے وہ تو انسانیت کے ماپ کی بھی آزادیاں چاہتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ انہوں نے جو کہہ دیا کہ ہاں صاحب! نماز روزے کی آزادی ہے اور وہ جو گن گایا کرتے تھے ہم انگریزوں کے زمانے میں صاحب! وہ قصیدے پڑھا کرتے تھے

حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں
ترقی کی راہیں سراسر کھلی ہیں

وہ آزادیاں کیا تھیں؟ وہ آزادیاں یہ ہوتی تھیں دیکھئے اس زمانے کے یہ یاد کرائے ہوئے کہ

بجتا ہے فقط چرچ میں اتوار کو گھنٹہ

دیکھئے جن کی حکومت ہے ان کے ہاں تو آٹھویں دن گھنٹہ بجتا ہے اور

سنکھ اور اذاں گونجتے ہیں روز برابر

یعنی اس سے بڑی آزادی اور کیا ہوسکتی ہے۔ اور یہاں پھر بڑے بڑے اکابر پیدا کیے انگریز نے کہ جو یہی مست رکھتا تھا ان کو دن رات اس میں کہ اس سے بڑی آزادی تمہیں کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ان کے وفادار رہو ان کی محکومیت اختیار کرو تمہیں کامل آزادی دی ہوئی ہے سجدے کی اجازت ہے۔ بات یہ انگریز کی نہیں تھی بات یہ کل کی نہیں تھی بات پانچ ہزار سال پیشتر کی تھی بات ہر دور کی تھی۔ حضرتِ شعیبؑ نے گاؤں میں آواز بلند کی۔ انہوں نے شروع میں ہی مخالفت کرنی چاہی تھی تو انہوں نے ہی مل کے کہا کا ہے کی مخالفت کرتے ہو اللہ والا ایک درویش آدمی ہے یہ کہتا کیا ہے؟ یہ کہتا یہی ہے کہ میں نماز پڑھا کرونگا۔ تمہارا بگڑتا کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس سے کہہ دیا کہ ٹھیک ہے شعیبؑ! ہم تعرض نہیں کریں گے تمہاری صلوٰۃ میں۔

صلوٰۃ کی آزادی اور نظام کی آزادی پر اعتراض کا فرق:

اب صلوٰۃ کی جو آزادی حاصل ہوئی ہے سنئے کیا کہتا ہے قرآن۔ درمیان میں میں نے کہا ہے نا کہ وہ کڑیاں چھوڑ گیا ہے کہ انہوں نے پھر اس کے بعد یہ کیا کچھ شروع کیا تھا کہنا۔ کہتے ہیں قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ (11:87) شعیبؑ! ہم تو کہتے تھے بھئی نماز پڑھ لیا کرو ہم اپنے طور پہ وہ گھنٹہ بجا لیتے ہیں کوئی سنکھ بجا لیتا ہے کوئی بھگتی کر لیتا ہے کوئی پوجا کر لیتا ہے تم اپنے طور پہ نماز پڑھ لیا کرو اس میں بگڑتا کیا ہے۔ لیکن ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ تم تو انگلی پکڑ کے پاؤنچے تک پہنچ رہے ہو۔ پہلی چیز تو یہ کہہ رہے ہو کہ صاحب! ہمارے آباؤ اجداد جن روش کے اوپر چلتے آ رہے ہیں وہ غلط ہے اس کو چھوڑنا پڑے گا۔ خیر! یہ ایک نظری بحث تھی آگے ہے وہ بحث۔ کہتا ہے اور پھر تم آگے یہاں تک چلے اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (11:87) تم تو یہ کہتے ہو کہ ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں یہ کس

قسم کی صلوٰۃ ہے تمہاری۔ آپ دیکھتے ہیں عزیزانِ من! خدا کی بتائی ہوئی اور نبی کی قائم کی ہوئی صلوٰۃ میں اور ہماری نماز میں فرق کیا ہے اس نماز سے تعرض کون کرے گا۔ لیکن وہ صلوٰۃ جو یہ کہے کہ تم اپنے مال کو بھی اپنی مرضی کے مطابق سرف نہیں کر سکتے میری صلوٰۃ یہ کہتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب! تعجب ہے ہم تو کچھ اور ہی سمجھے تھے اور وہ سمجھ کے ہم نے تمہیں آزادی دی تھی یہ تو تمہاری صلوٰۃ ہی کچھ اور قسم کی ہے۔ یہ ہے صلوٰۃ جو مذہب میں آ کے سمٹ کے وہاں رہ جاتی ہے کہ جہاں ہر قسم کا جابر متکبر ڈکٹیٹر جو ہے وہ بھی تعرض نہیں کرتا بلکہ ''اپنے ولوں لوٹے ہو بھیجی تریا جاندا ہیگا۔ ٹھیک ہے مردے وی نہوایا کرو ایسے نال ای جناب''۔ بڑا مطمئن رہتا ہے وہ اس کے بعد یہ چھٹیاں دے کے۔

انگریز کی طرف سے دین کی آزادی پر 1933ء میں علامہ پرویزؒ کے ایک ذاتی واقعہ کا تفصیلی ذکر:

انگریز کی حکومت بھی جو تھی وہ اسی تکنیک کے اوپر اتنا عرصہ وہ قائم رہی۔ مذہب کی آزادی ہی نہیں دی تھی تائید تھی تقویت تھی عطیے تھے یہ سارا کچھ وہ کرتا تھا۔ جتنے مذہب پرست لوگ تھے جتنے مذہب کی دعوت دینے والے لوگ تھے وہ سب کی حمایت کرتا تھا۔ لیکن دین کا نام اگر لیا جاتا تھا تو یہاں اجازت والی بات آپ کہتے ہیں!!!۔ اجازت دیں تو آپ ایک ذاتی واقعہ عرض کروں کہ فرق کتنا تھا۔ 1933ء میں یہ ریڈیو سٹیشن دلی کا کھلا تھا۔ وہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ گورنمنٹ سرونٹس کو اجازت دی جا سکتی ہے یا نہیں اس میں تقریریں کرنے کی۔ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے جو تہوار آتے تھے یہ عید وغیرہ' اس زمانے میں وہ چاہتے تھے کہ یہ ابھی ملا قسم کے لوگ نہ آئیں Intellectuals آئیں۔ ان کے ذہن میں Intellectual سے مراد لبرل قسم کے لوگ تھے۔ یہ لبرل ہوتے ہیں نا۔ یہ آ کے اس پہ تقریریں کیا کریں اور اس قسم کے لوگ جو تھے مسلمانوں میں کم از کم وہ سروسز کے اندر تھے۔ چنانچہ یہ حج کی تقریب تھی اور اس پہ ایک Talk دینی تھی۔ مجھے انہوں نے کہا کہ تم Talk دے سکتے ہو۔ اس پہ یہ ایشو پہلا دفعہ جاری ہوا میں خود ہوم ڈیپارٹمنٹ سے تھا وہیں یہ چیزیں طے ہوتی تھیں۔ تو وہ تو بہت باریک پیستے تھے نا اس سرے کو' اسی وقت اناؤنس کر کے تیسرے دن واپس نہیں لیا کرتے تھے وہ بہت باریک پیسا کرتے تھے۔ بات چلی' نیچے سے یہ Suggestion ہوئی کہ اجازت تو دینی چاہیے لیکن ان کی تقریریں جو ہیں وہ پہلے ہمیں دیکھ لینی چاہئیں۔ اس قسم کی ڈسکشن کے بعد بات چلتی چلتی اوپر پہنچی سیکرٹری تک۔ اس زمانے کے سیکرٹری وہ ہوتے تھے جو بعد میں کبھی گورنر بن جایا کرتے تھے بلکہ وائسرائے بھی کبھی ہو جایا کرتے تھے۔ وہ آئی سی ایس کا انگریز بہت اونچا ہوتا تھا وہ جو سیکرٹری ہوتا تھا۔ تھا مس تھا وہاں اس زمانے کا' بڑا Orientalist تھا وہ' عربی فارسی اردو کے اندر ماہر تھا وہ۔ اس کے ہاں فائل پہنچ گئی' میری تقریر اردو میں تھی۔ مجھے اس نے براہِ راست بلا لیا۔ اس نے کہا کہ انہوں نے خوامخواہ یہ اتنا بڑا طومار کھڑا کر دیا ہے اتنی موٹی فائل بنا دی ہے گورنمنٹ سرونٹ جو ہے اس کے لحاظ میں ہمیں اس کی تقریر دیکھنے سے کیا ہے وہ

خود ذمہ دار ہے۔ لیکن میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں بجائے اس کے کہ اتنی لمبی چوڑی تقریر میں تمہارے جاؤں' حج کی تقریب کے اوپر تم کیا کہو گے۔ میں نے کہا جی! اس میں میں نے کہنا کیا ہے میں نے تو اسوۂ ابراہیمیؑ پیش کرنا ہے کیونکہ یہ تقریب انہی کی نسبت سے ہے۔ اور اس میں میں نے یہ اسوہ پیش کرنے کے بعد یہ کہنا ہے کہ وہ شرک کے خلاف تھے۔ کہنے لگے پھر اس کے بعد تمہارا یہ خیال ہے نا کہ یہ بڑی Innocence سی چیز ہے؟ میں نے کہا جی یہ آپ دیکھ لیجیے گا اس میں کونسی چیز ہے۔ مسکرایا' کہنے لگا (میں ابھی پرویز نہیں تھا اس زمانے میں) مسٹر چوہدری! میں تمہاری تحریریں بھی دیکھتا چلا آ رہا ہوں مجھے قرآن پہ بھی کچھ نگاہ ہے مجھے شرک کے معنی بھی پتہ ہیں۔ کہنے لگا کیا تمہارے ہاں قرآن کی رو سے کسی انسان کی اطاعت کرنا شرک ہے یا نہیں۔ یہ انگریز سیکرٹری پوچھتا تھا مجھ سے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ کہنے لگے اگر تمہیں پھر ہم اجازت دیدیں کہ جا کے تم اس پہ تقریر کرو کہ شرک مسلمان کے لیے قطعاً ناجائز اور حرام ہے تو اسکے یہ معنی ہوئے نا کہ انسانوں کی کوئی حکومت جو ہے تمہارے ہاں جائز نہیں ہو سکتی۔ اسوۂ ابراہیمیؑ تو یہ کہتا تھا نا جس نے اعلان کر دیا تھا کہ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (60:4) میں تم سے نفرت کرتا ہوں' بغاوت' بغض' عداوت تمہارے خلاف۔ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (60:4) تا آنکہ تم ایک خدا کی محکومیت اختیار نہ کرو۔ کہنے لگے یہ ہے نا اسوۂ ابراہیمیؑ' ہے نا یہی' یہی پیش کرو گے۔ اندازہ لگائیے۔ میں نے کہا جی قرآن کی رو سے تو یہی ہے۔ کہنے لگا یہ ٹھیک ہے تم اگر اپنی تقریر میں یہ بھی لکھ دو کہ صاحب! اس نے کہا تھا کہ شرک سے باز آؤ اور ان چیزوں سے تو ٹھیک ہے یہ نیچے چھاننے والوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ کیا ہے۔ لیکن میں بھی جانتا ہوں اور تم بھی جانتے ہو کہ اسوۂ ابراہیمیؑ کیا ہے اور شرک کسے کہتے ہیں اور توحید کسے کہتے ہیں۔ کہنے لگے اگر ایمانداری سے پوچھو تو پھر اس کی اجازت تو نہیں دی جا سکتی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ کہنے لگا لیکن اب اس کی میں رکاوٹ بھی نہیں پیش کرنا چاہتا کہ یہ ایشو بن جائے گا۔ ٹھیک ہے اجازت ہے۔ تم گورنمنٹ سرونٹ ہو تم خود دیکھ لو اس کے بعد کہ اگر کوئی چیز اس قسم کی آئے گی تو اس کے بعد تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میں یہ ایشو نہیں بنانا چاہتا اس کے اوپر رکاوٹ ڈال کے۔ اتنا ہی کہونگا کہ پہلی دفعہ یہ تقریر ہوئی ہے قرآن کی یہ آیات بھی پڑھو شرک کو شرک کہہ کے آگے بڑھ جانا اس کی تفصیل نہ بیان کرنا۔ جی ''مہاراویاں وانگوں ساہنوں پڑھایا جاندا ہوندا سی'' کہ حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں' سنکھ اور اذاں گونجتے ہیں روز برابر۔ اذان کے گونجنے میں تو کوئی تعرض نہیں تھا۔ تعرض اس میں تھا کہ شرک کے معنی نہ بتانا اسوۂ ابراہیمیؑ وہاں تک ہی رکھنا کہ بیٹے کو لیا تھا چھری کے نیچے دیا تھا جنت سے مینڈھا آیا تھا اس کو ذبح کر دیا تھا اس کے ذبح کرنے کے لیے آپ پکڑے ہوئے پھر رہے ہیں۔ اس نے تو ایک ذبح کیا وہ بھی خرید کے نہیں ذبح کیا ''تہانوں اے مصیبت پئی ہوئی اے قیامت تک صاحب' اوکھن لگا کر دے جاؤ''۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ چیزیں جو ہیں کوئی اجازت دے سکتا ہے اس کی؟! جنہوں نے اپنی حکومت کرانی ہو۔ کوئی انسان جو اپنی حکم دوسرے سے منوانا چاہتا ہے وہ دین کی اجازت دے سکتا ہے؟۔ یہ تھا جو انہوں نے کہا کہ شعیبؑ ہم سمجھتے تھے کہ نماز پڑھنے کی تم نے بات پوچھی اور ہم نے کہا پڑھ لیا کرو۔ او تمہاری صلوٰۃ تو ہمیں اس کی

اجازت بھی نہیں دیتی کہ اپنا مال اپنی مرضی کے مطابق خرچ کریں ارے بھئی! صلوٰۃ نماز کو مال سے تعلق کیا ہے۔ یہ تھی صاحب! انبیائے کرامؑ کی دعوت یہ تھی ان کی صلوٰۃ۔ اور یہ تھی وہ چیز اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (11:87) جی! ساری دنیا میں تمہارے سینے میں درد ہے ہم سارے پتھر کے دل والے ہیں ہم بڑے سنگ دل ہیں' نوعِ انسانی کا درد تمہارے ہی سینے کے اندر ہے عقل وفکر تمہیں سمیٹ کے آ گئی ہے یہ چیز جو ہے۔ صلوٰۃ کی اجازت مانگتے ہو اور اس کے بعد کہتے یہ ہو کہ تم اپنا مال بھی اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہیں کر سکتے۔ تو اسکے بعد تو یہی تھا نا کہ یا تو بعض آ ؤ اس دعوت سے ورنہ گاؤں سے باہر نکال دیں گے تمہیں۔ واقعی نکال دینا تھا اس قوم نے صاحب۔ کیا باتیں قرآن کہہ جاتا ہے۔

وحی کی قندیل کے بغیر تنہا عقل انسانی کو زندگی کا سفر طے کرنے کے لئے صدیوں کا عرصہ درکار ہوتا ہے:

عزیزانِ من!!۔ واقعہ چار پانچ ہزار سال پہلے کا' بتایا ہوا بھی ڈیڑھ ہزار سال پہلے کا۔ کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی اس دور میں عزیزانِ من!۔ یہ کوئی انسان کا ذہن کچھ کہہ سکتا تھا ابدی حقیقتیں تو صرف خدا دے سکتا تھا۔ جواب سنئے یہ نہیں کہا کہ اس کے بعد ٹھیک ہے کچھ مصالحت کی صورت پیدا کر لیں گے کچھ مفاہمت پیدا کر لیں گے کچھ ہم جھکیں گے کچھ تم جھکو گے یہ صورت ہے۔ یہ بھی یہ نہیں کہا کہ ہم آ جائیں گے۔ کیوں نہیں ہم Accept کر سکتے جو تم کہتے ہو۔ یہ ہے عزیزانِ من! بڑا ہی نازک مقام' بڑی عجیب چیز ہے۔ کہا میں کیوں اس پہ مجبور ہوں کہ تمہاری یہ بات میں نہ مانوں۔ مجھے بھی ایک مجبوری ہے مجبوری یہ ہے کہ میں جو کچھ کہتا چلا آ رہا ہوں یہ نہیں کہہ رہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایسا نظام ہو۔ میں نے تم سے کہا ہے کہ میرے خدا کا یہ فرمان ہے کہ یہ نظام باطل ہے اسکی جگہ یہ نظام ہونا چاہیے میں خدا کی بات تم تک پہنچا رہا ہوں۔ اور اگر آج میں تمہارے ساتھ مفاہمت کر لوں تو اسکے معنی ہونگے قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا (7:89) اس کے معنی یہ ہونگے کہ میں غلط بکواس کرتا تھا خدا کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتا تھا یہ اس کا نتیجہ ہوگا یہ میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اللہ اکبر۔

دین کی طرف دعوت دینے والے کا مقام اگر بدرجہ اتم ہے تو بڑا نازک بھی ہے

دین کی طرف دعوت دینے والا عزیزانِ من! بڑا ہی مقام اس کا پل صراط کا ہوتا ہے پاؤں ذرا سا بھی اس میں سے لغزش آ ئی اور سیدھا جہنم کے اندر چلا گیا۔ وہ اس لیے کہ یہ جو کچھ کہتا ہے اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوتا۔ کہتا یہ ہے کہ خدا نے یہ کہا ہے یہ اٹل ہے وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (6:34) اس میں تبدیلی کوئی نہیں کر سکتا اس میں مفاہمت کی کوئی شکل نہیں ہے یہ کچھ کہتا ہے۔ اور اگر یہ کسی وقت جا کر مفاہمت کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ میں خدا کے متعلق کہتا تھا کہ اس نے مجھے کہا ہے اور میں وہ بات پہنچا رہا ہوں جھوٹ بولتا تھا میں۔ آ ہاہاہا۔ کہا اتنے جرم کا مرتکب ہو جاؤں میں!!۔ یعنی عملاً یہ کر لوں تمہارے ساتھ میں مفاہمت تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ یہ ثابت ہو گیا کہ میں تو خدا کے خلاف غلط بات کرتا تھا یہ کہ خدا یہ کہتا

ہے۔ یہ ہے میری مجبوری۔۔ اپنی طرف سے کہتا تو ہزار بار مفاہمت کر لیتا' آج کرتا کل توڑ دیتا۔ لیکن میں تو اگر مان جاؤں تو اپنا میرا جو دعویٰ تھا کہ یہ خدا کی طرف سے اس کی تکذیب ہو جائے گی اس دعوے کی۔ تم سے تو مفاہمت کر لونگا یہ جو ہے اس جرم کی معافی کہاں سے ملے گی۔ افتراء علی اللہ یہ چیز ہے یہ ہے بات۔

قرآنِ حکیم کی طرف دعوت دینے والے کی ذمہ داری لیکن ہمارے ہاں کا احساسِ مجبوری

عزیزانِ من! ختمِ نبوت ﷺ کے بعد میں پھر عرض کر دوں جو شخص بھی قرآن ہاتھ میں لے کے قرآن کی نسبت سے اسلام کی نسبت سے بات کرتا ہے اگر وہ زندگی کے کسی مقام پہ بھی کھڑا ہو کے آ کے مفاہمت کر لیتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا تھا میرے خدا کا غیر متبدل ہے اس کو جھٹلا رہا ہے یہ شخص۔ اسی وقت جہنم کے گڑھے کے اندر چلا جائے گا یہ' کوئی نیکی اس کی کام نہیں آ سکتی۔ بڑی ذمہ داری کا مقام ہے عزیزانِ من!۔ لیکن یہاں تو ہر روز شریعت جتنی بھی ہے وہ محکمۂ موسمیات کی جورات کو آ جاتی ہے ٹی وی میں اس کے مطابق ہوا کے ساتھ بدلتی چلی جاتی ہے۔ آج خدا کا دین کچھ کہتا ہے کل ہی خدا کا دین کچھ اور کہنے لگ جاتا ہے۔ آج خدا کا یہ دین کہتا ہے کہ یہ زمین کے اوپر ذرا سی اراضی کے اوپر ملکیت کی حد مقرر کرنا خدا کے ارشاد کے خلاف ہے۔ اور اس کے اگلے ہی دن ہو جاتا ہے کہ ہاں صاحب! ڈیڑھ سو ایکڑ کی حد جو ہے یہ مقرر کر لینی چاہیے از روئے شریعت یہ بھی یہ ہے۔ وہ بھی خدا کا فرمان یہ بھی خدا کا ارشاد' یہ ہوا ہے ہمارے ساتھ۔ یہ افتراء علی اللہ ہو رہا ہے۔ ڈر ہی نہیں دل کے اندر' احساس نہیں کہ کوئی خدا بھی ہے اس کے سامنے جانا ہے یہ کوئی ذمہ داری بھی ہے ہماری اس چیز پہ۔ بابا! اگر اتنی جرآت نہیں ہے کس نے تمہیں مجبور کیا ہوا ہے ٹھیک ہے رکھو اپنے ہاں اپنی ذات تک اس کو۔ لیکن جب بھی آپ کہیں بات باہر کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کا یہ ارشاد ہے تو عزیزانِ من! زندگی کے کسی لمحے میں بھی اگر آپ نے اس کے خلاف کسی سے مفاہمت کر لی تو یہ خدا کے خلاف افتراء اور تکذیب ہو جائے گی۔ یہ کہا ہے خدا کے نبی نے کہ کیا کہتے ہو! مفاہمت کر لوں تو اس کا کیا جواب ہے۔ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا (7:89) اس کیچڑ سے اس دلدل سے اس نے ہمیں نکالا اللہ کا بڑا احسان ہے' اس کے بعد میں تمہارے ساتھ مفاہمت کر لوں میری تو چھوڑ دیجیے اس کا کیا جواب ہوگا کہ دنیا یہ کہے گی کہ یہ بکتا تھا جو کہتا تھا کہ میرے خدا کا فرمان ہے اور یہ بدل نہیں سکتا آج کیوں بدل گیا۔ یہ جو روز شریعت کو بدلتے ہیں عزیزانِ من! ان کو پتہ نہیں کہ یہ کتنا بڑا جرم کر رہے ہیں۔ یہ اپنی ہی As a matter of policy تو جو جی میں آئے کریں' دنیا میں تاثر ہو رہا ہے کہ خدا کا دین بھی ایسا ہے کہ جو مصلحتوں کے ساتھ بدلتا چلا جاتا ہے۔ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ (7:89) قطعاً یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس مسلک کو چھوڑ کر اِدھر آ گئے ہیں ہم پھر اُدھر واپس چلے جائیں ہمارے بس میں ہی نہیں یہ رہا صاحب! سیدھی سی بات ہے۔

ہمارے ہاں قرآنِ حکیم کے تراجم کی زبوں حالی

یہاں ایک لفظ آتا ہے اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّنَا (عام ترجمہ) ہاں! بجز اس کے کہ اگر ہمارا اللہ ہی یہ چاہے۔ ابھی یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ہم بدل جائیں گے تو یہ افتراء ہوگا علی اللہ' اللہ کے خلاف تکذیب ہوگی اس کے خلاف غلط بات ہوگی جو منسوب کرنی ہوگی۔ تو اسکے بعد یہ کہہ دینا کہ ہاں صاحب! ہم تو نہیں بدل سکتے لیکن اگر اللہ ہی چاہے تو پھر خیر ہم بدل جائیں گے۔ یہ ہے جو قرآن پیش کیا جا رہا ہے' یہ ہیں جو اس کے ترجمے کیے جا رہے ہیں یہی ہے جو اس کی تفسیر کی جا رہی ہے۔ کچھ باقی بھی بچتا ہے اس قرآن کا اس کے بعد پھر۔ اور میں نے کہا ہے کہ دور نہیں جانے کی' پہلے سانس میں اسی آیت کے شروع میں یہ کہا ہے آیت بھی دوسری نہیں ہے کہ یہ تو افتراء ہو جائے گا خدا پہ۔ تو گویا یہ جو ہے کہ خدا اگر چاہے ہم ادھر چلے جائیں تو پھر نہ وہ افتراء ہوگا نہ تکذیب ہوگی نہ کوئی جرم ہوگا کچھ نہیں صاحب۔ اور پھر ہم بھی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گئے صاحب! ہم نے تو کیا ہی نہیں' اس نے یہ چاہا تھا ہم ادھر آ گئے۔ عزیزانِ من! آپ میری لغت دیکھ لیجیے گا اس کے اندر آپ کو ملے گا ''کتاب التقدیر'' دیکھئے گا اس کے اندر آپ کو یشاء کے معنی ملیں گے۔ عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے ان کے ہاں یہ ایک ان کے ہاں کا اصول ہے وہ استثنائے مشیت اس کو کہتے ہیں۔ جس الا میں وہ کہتے ہیں مشیت کا لفظ آ جائے اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اگر اللہ کی مشیت میں یہ ہوتا تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا اور مشیت غیر متبدل ہے اس لیے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ یہ معنی ہوتے ہیں اس کے کہ یہ ناممکن ہے۔ خدا کی مشیت اگر یہ ہوتی تو وہ قانون ہی یہ نہ بناتا جو اس نے تمہارے اس میزان اور میکیال کے متعلق قانون بنائے ہیں۔ سوال ہی نہیں تھا یہ اس کی مشیت ہی ایسی نہیں تھی کہ اس قسم کے قوانین کو جائز قرار دیتا۔ اگر اس کی مشیت ایسی ہوتی تو پھر ٹھیک تھا کہ میں اس قسم کا وعظ کہتا اس قسم کا تمہارا نظام قبول کر لیتا۔ لیکن یہ تو اس کی مشیت تھی ہی نہیں یہ معنی اس کے ہوتے ہیں۔ جہاں کہنا ہونا حتمی طور پہ یقینی طور پہ کہ ایسا نہیں ہو سکتا وہاں وہ یہ بولتے ہیں۔ معنی اس کے یہ لیتے ہیں کہ اگر اس نے ایسا کرنا ہوتا تو وہ پہلے اپنا قانون ہی ایسا بناتا۔ اس نے جب ایسا قانون نہیں بنایا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ چاہتا ہی نہیں کہ ایسا ہو' جب وہ چاہتا ہی نہیں تو یہ ایسا ہو کیسے سکتا ہے ہم ایسا کر کیسے سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا ہے نا کہ میں زیادہ تفصیل کے معاملے میں اب میں زیادہ Elaburate نہیں کیا کرتا ان چیزوں کو کہ وہ ایک چیز آ گئی ہوئی ہے آپ کے سامنے۔ جو اس کی زیادہ تفصیل دیکھنا چاہے وہاں دیکھے۔ یہ میں نے بحث کی ہے استثنائے مشیت جسے کہتے ہیں اس میں موجود ہے۔

علمِ کُل کی بنیاد پر بھی قدرت اپنے غیر متبدل اصولوں کو نہیں بدلتی:

وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (7:89) دوسری چیز یہ ہے کہ انسان مفاہمت میں اس لیے بھی آ جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ دیکھو بھئی! اس وقت ان حالات کا پتہ نہیں تھا اب حالات نئے میرے سامنے آئے ہیں ان نئے حالات کی بناء پہ میں سمجھتا

ہوں کہ واقعی مجھے تبدیلی کر لینی چاہیے اپنے مسلک میں۔ کہا کہ یہ ٹھیک ہے انسان تو ایسے کہہ سکتا ہے' جب آپ کہیں کہ خدا کا قانون ایسا ہے تو اسکے بعد اگر یہ کہیں کہ آج حالات کے تابع پھر اس میں تبدیلی ہونی چاہیے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا علم بھی اتنا ہی ناقص تھا جیسے تمہارا علم تھا۔ دیکھتے ہو کہاں کہا ہے وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (7:89) رب کا علم تو بڑا وسیع ہے۔ تو جو علم کی بنیادوں کے اوپر یہ بات کہتا ہے اس میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ قانون غیر متبدل ہے اس قانون کو ماننے والے پہنچانے والے اس پہ جم کے کھڑے رہنے والے کوئی مفاہمت اور مصالحت نہیں کر سکتے۔ باقی رہا یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت تمہارے پاس قوت موجود ہے دھمکیاں بھی تم دیتے ہو یہ جماعت بھی کچھ کمزوروں کی سی ہے میرے ساتھ۔ اب تم یہ پوچھو کہ ہم کس اعتماد پہ کس Confidence پہ یہ سارا کچھ کہہ رہے ہیں تمہارے ساتھ جو ٹکراؤ پیدا کر رہے ہیں ہم نے دھمکی دی ہے کہ باہر نکال دیں گے اس پہ نہیں تم جھکتے' تمہارا بھروسہ بال آخر ہے کس پہ۔ تو یہاں تو پھر ایک ٹوہ لگ جاتی ہے نا کہ ذرا پیچھے دیکھو ان کے صاحب! نظر آتا ہے کوئی بڑی پاور ہے ہاں ہاں! امریکن کے اشارے پہ ناچ رہے ہیں وہ رشیا ہوگا صاحب ان کے پیچھے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں۔

قانون کی محکمیت کی بنیاد پر توکل سے انسانی ذاتِ عمل پیہم کی صفات کی حامل ہو جاتی ہے

خدا کا پیغامبر جو ہے وہ کیا کہتا ہے عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا (7:89) ہمیں خدا کے قانون کی محکمیت پر پورا بھروسہ ہے۔ ہمارا یقین ہے یہ کہ اگر اس کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق چلیں گے کبھی شکست نہیں ہمیں ہوگی ہمارا بھروسہ اس پہ ہے۔ دیکھا کتنا بڑا بھروسہ ہے۔ اور یہی توکل آپ کے ہاں کیا آ کے بن گیا ''ناں ای ہوندا اے سائیں توکل شاہ' ہوندا کون اے؟ کچھ نہ کرے آپ بیٹھا رہوے سارا دن' جے او آپ بیٹھا رہے تے فیر کی؟ تسی کم کرو' تسی کما کے لیاؤ او ہنوں لیا کے کھوا دیو۔ اے اللہ تے توکل ہون ڈیا اے' دو دن پنڈ والے جا کے روٹی نہ نہ دین تے اے توکل شاہ نوں پتہ چل جائے کہ توکل کی ہوندا اے''۔ عجیب عجیب پھیر ہیں محنت کش کے پسینے کو نچوڑنے کے لیے عجیب عجیب حربے استعمال کیے ہیں انہوں نے۔ ان حضرات کا توکل ہے صاحب! وہ دیکھو جی ساری عمر ہم نے دیکھا کوئی کام ہی نہیں کرتے' اچھا کھاتے ہیں اچھا پہنتے ہیں' کہا صاحب! اللہ پہ توکل ہے نا بس' چھپڑ پھاڑ کے دیتا ہے۔ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا (7:89)۔ اور اس کے بعد کہ یہ مقام آ گیا ہے ان کی طرف سے آخری دھمکیوں کا۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا (7:89) یا اللہ! فیصلہ کر دے اب ہم میں اور ان میں۔ فیصلے ہر قسم کے ہوتے ہیں۔ خدا کی طرف جو کہا ہے نبی اور رسول نے کہ فیصلہ کر دے حالانکہ یہ بات یوں ضرورت نہیں تھی کہ خدا کو یہ کہا جاتا۔ میرے اور آپ کے لیے یہ بات ہے کہ خدا سے بھی جو فیصلہ مانگو تو یہ نہیں ہوگا کہ آپ اگر حق پہ نہیں ہے تو پھر تمہارے لیے فیصلہ ہو جائے تمہارے حق میں فیصلہ ہو جائے۔ خدا کا فیصلہ مانگنا ہے تو ڈر کے مانگو' اس کا فیصلہ تو اسکے حق میں ہوگا جو حق پر ہے۔ یہاں مدعی مدعا علیہ دونوں خدا سے فیصلہ مانگتے ہیں صاحب۔ صبح جب جانا ہوتا ہے عدالت میں دونوں ہی رات کو جو بتایا ہوا ہوتا ہے نفل بھی پڑھتے ہیں وظیفے بھی مانگتے ہیں دعائیں کرتے ہیں حضرت صاحب سے

دعائیں دونوں ہی کرار ہے ہوتے ہیں ''اوحضرت صاحب ایہدی وی دعا کرن ڈیا ہوندا اے اوہدی وی کرن ڈیا ہوندا اے' ایس واسطے پئی نذرانہ ایہدے کولوں وی لیا ہوندا اے اوہدے کولوں وی لیا ہوندا اے''۔ یہاں ایک ہوتے تھے بہت بزرگ (چھوڑ دیجیے ان کا نام) آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے یہ سرکاری حکام میں ان کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ان کی کیفیت یہ تھی کہ لوگ جاتے تھے تو ان کو وہ لکھ دیتے تھے سفارشیں۔ وہ ایک دن ٹرین میں کہیں سفر کر رہے تھے تو سامنے ایک نوجوان بیٹھا ہوا اس نے پوچھا ''اوئے منڈیا توں کون ایں'' اس نے کہا جی میں ''ایتھے مجسٹریٹ لگا ہویاں'' آپ کا اسمِ گرامی ؟'' کہن لگا میرا ناں اوہیگا'' کہنے لگا اچھا! شاہ صاحب آپ ہیں وہ بڑی عزت ہے اٹھ کے اس نے سلام کیا۔ایک درخواست آپ سے میں کرنا چاہتا ہوں آپ سے میرا تعارف بھی نہیں تھا آج پہلی دفعہ ملے اس کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔لیکن آپ کی کیفیت یہ ہے کہ آپ مدعی کو بھی چٹھی دیدیتے ہیں مدعا علیہ کو بھی میرے نام چٹھی دیدیتے ہیں۔ملزم کو بھی دیدیتے ہیں استغاثے والے کو بھی دیدیتے ہیں فریادی کو بھی چٹھی دیدیتے ہیں تو ہمارے لیے مشکل ہوجاتی ہے کہ وہ ہم آپ کی سفارش کس کے حق میں مانگیں۔'' کہن لگا اوئے منڈیا پڑھے ہوئے ہیگے او ہجے گوڑے ہوئے نئیں ہیگے او جیہڑے مینوں آ سبق دیندے ہیگے اؤ میرے کول او اوندا اے تے میں او ہنوں وی چٹھی دے دینا ایں تے او کہندا اے بھئی بڑا ہی چنگے نیں شاہ جی اللہ خوش رکھے۔دو ہا اوندا اے اووی کیندے ہیگے چٹھی دے دئی دے اووی کیندے نیں بڑے چنگے نیں شاہ جی۔جیس ویلھے توں اک دانئیں کم کردا او کیندے نیں بھئی او شاہ جی تے بڑے چنگے سن بچے جیون ایہدا ای بیڑہ غرق ہوگیا اے۔او کہن لگے شاہ جی! کوئی گل نئیں پئی ساہڈا بیڑہ غرق کراندے رہو لکھدے رہیا کرو چٹھیاں۔

ذاتِ خداوندی کا صحیح تصور انسانی ذات پر گہرے نقوش مرتب کرتا ہے:

ایناں نے اللہ نوں وی ایہو جیا ای سمجھیا ہیگا'' وہ مدعی کے حق میں بھی سفارشیں چلی جارہی ہیں مدعا علیہ کے حق میں بھی ''او وہ نیازاں ونڈن ڈئے نیں اووی داتا صاحب تے جاندا اے دوویں کھلوتے ہوندے نیں او تھے ضد بضدی۔میرے حق اچ ہوجائے گا تے سو اسودی نیاز دیاں گا او کیندا اے ڈیڑھ سودی دیاں گا' لے بولی لگن ڈئی ہوئی ہیگی اے''۔بات اور چلی تھی۔

نبی کی طرف سے دعا کرنے کا انداز بھی حق کا متلاشی ہی ہوتا ہے

عزیزانِ من! اس کے ہاں سے فیصلہ کس طرح سے ہوتا ہے۔ نبی کہہ رہا ہے خدا سے رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (7:89) آہاہاہا!! دیکھتے ہیں عزیزانِ من! کوئی رعایت نہیں مانگتا۔خدا سے اس کا رسول دعا کر رہا ہے فیصلہ مانگتا ہے اپنے میں اور مخالفین کے اندر۔اور کہہ یہ رہا ہے کہ فیصلہ کردے ہم دونوں کے درمیان بالحق۔اسے دعا کہتے ہیں عزیزانِ من! بالحق فیصلہ کردے۔ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (7:89) اسی لیے کہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے نہ کسی کے خلاف جاتا ہے نہ کسی کی رعایت کرتا ہے حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔میں یہ دعا کرتا ہوں۔ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (7:90) اب جناب انہوں نے دیکھا کہ یہ جو بڑا لیڈر ہے شعیبؑ

یہ تو قابو آتا ہی نہیں جھکتا ہی نہیں۔ انہوں نے جا کے جو اس کے Followers تھے نا بیچارے کمزور سے غریب سے ان کو جا کے ڈرانا شروع کیا کہ اچھا! یہ کیفیت تمہاری ہے اگر تم اس کا ساتھ دیتے چلے آئے تو یاد رکھو تمہیں پتہ ہے پھر ہم کیا کرتے ہیں۔ معلوم تھا کہ وہ تو ایک پیغامبر ہے بڑے ہی مستحکم ایمان کا شخص ہے وہ تو اپنے مقام سے نہیں ہلے گا یہ جو ساتھی ہیں کمزور سے ہیں ضعیف سے ہیں ان کو تو ہلا دیں گے نا۔ لیکن انہیں پتہ نہیں تھا کہ یہ ساتھی جو ہیں یہ ہمارے حضرت صاحب کے ساتھی نہیں ہوتے مولوی صاحب کے ساتھی نہیں ہوتے' جیسے وہ روز بدلتے ہیں ساتھی بھی روز بدلتے رہتے ہیں۔ وہ ایک رسول کے ساتھی ہوتے تھے جس قسم کا مستحکم اس کا ہوتا تھا اسی کی جھلک ان کے سینوں کے اندر بھی ہوتی تھی۔ اور یہ چیز تو قرآن واضح کر گیا۔

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق عیسائیوں کی تاریخ اور اس کے برعکس قرآنِ حکیم کا ارشاد:

خود عیسائیوں کے معاملے میں۔ ساری عیسائیوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے حضرتِ عیسیٰؑ کے بارہ حواری تھے بارہ ساتھی تھے ان کی تاریخ کے مطابق۔ ایک نے تو ان کو بیچ ہی دیا تیس روپے کے عوض اور باقی جو گیارہ تھے (ان کی تاریخ کے مطابق) جب آپ کو گرفتار کیا گیارہ کے گیارہ ہی بھاگ گئے۔ یہ وہ بتا رہے ہیں صاحب۔ اور قرآن آتا ہے ان کے حواریوں کی بات قرآن کر رہا ہے۔ کیا بات ہے اس قرآن کی عزیزانِ من! اور کہہ یہ رہا ہے کہ جب وہ نازک وقت آیا تو عیسیٰؑ نے آواز دی اپنے حواریوں کو کہ کون ہے جو اس وقت خدا کے دین کی حفاظت کے لیے میری مدد میں کھڑا ہو۔ اور قرآن کہتا ہے کہ بیک زبان انہوں نے کہا کہ ہم قربان کر دیں گے سب کچھ تیرے اوپر تو دین کو لے کے کھڑا ہوا ہے۔ ان کے حواری یہ ان کا بیان کر رہا ہے جو خود کہہ رہے ہیں کہ سارے چھوڑ گئے تھے ساتھ۔ کہنا وہ یہ چاہتا ہے کہ نبی کے ساتھی ایسے نہیں ہو سکتے اس کے حواری یہ نہیں ہوتے۔ ان کو دھمکانا چاہا انہوں نے۔ اب ہم وہ کمزور نہیں رہے جو پہلے تھے۔

ایمان کی بنیاد پر کیے گئے فیصلے تو اندر سے فولادی قوت کے حامل ہوتے ہیں

یہ ضعف اور قوت جو ہے یہ مال کے اوپر دار و مدار اس کا نہیں ہے۔ اس کے فیصلے انسان کے دل کے ایمان سے ہوتے ہیں اور بڑی قوت ہے ایمان کی صاحب۔ اور یہ صحیح ہے کہ اگر یہ قوت حاصل ہو تو پھر بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔ انہوں نے کہا کیا کہہ رہے ہو تم! نقصان کہہ رہے ہو نقصان اٹھاؤ گے' شے ہی کیا ہے صاحب! جو تم کہتے ہو۔ یہاں تو جان تک بھی جو ہے اس کے لیے وہ حاضر ہے یہ سودے ہی اور ہیں' تمہارے ہاں کے میزان اور ہیں تمہارے ہاں کے پیمانے اور ہیں یہاں تو پیمانے ہی اور ہیں۔ ایک ان میں سے نہیں بک رہا تھا۔

وحی کے حقائق کو فراموش کرنے والوں کی بے چراغ بستیوں کے ذکر کے علاوہ حضرت شعیبؑ کی ہجرت کے وقت دل بھری داستان کا مقصد

قرآنِ کریم درمیان کی کڑیاں پھر چھوڑ دیتا ہے۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (7:91)۔

پھر وہ ایسا انقلاب آیا زلزلہ انگیز کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں ساکت وسامت پڑے ہوئے رہ گئے حرکتیں ہی مفلوج ہوگئیں ان کی صاحب! سب نظر بند ہوگئے۔ یہ کیفیت ان کی ہوگئی۔ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا (7:92) کون؟ وہ جو شعیبؑ کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ کس طرح سے وہ تباہ ہوئے ہیں ان گھروں کے اندر؟ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا (7:92) جیسے کہ وہ کبھی ان بستیوں میں بسے ہی نہیں تھے۔ نام ونشان تک اس کے بعد مٹ جاتا ہے عزیزانِ من! جو وہاں فوٹو ان کے لگے ہوئے ہوتے ہیں وہ اتار دیے جاتے ہیں۔ جہاں جہاں انہوں نے کہیں وہ افتتاح کرنے کے زمانے میں وہ پتھر لگائے ہوئے ہوتے ہیں یہ انہوں نے بنوایا یہ سٹیڈیم ان کا تھا وہ ایک چکر ہوتا ہے صاحب! اس کے نام کے ساتھ وہ پتھر ہی بدل دیتے ہیں صاحب۔ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا (7:92) گویا کہ یہ کبھی یہاں بسے ہی نہیں تھے۔ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا (7:92) وہ جنہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی۔ كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ (7:92) وہی تھے جنہوں نے یہ نقصان اٹھایا اور تباہ ہوئے۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ (7:93) وہ اس سے پہلے ہی ان سے وہ الگ ہوگیا تھا۔ جاتے ہوئے اس نے یہ کہا تھا کہ اے قوم! تمہارے آنے والے مال کے تصور سے میرا دل دکھ سے بھرا ہوا ہے خون کے آنسو روتی ہیں میری آنکھیں۔ لیکن یہ سوال ہی نہیں ہے۔ جو خودکشی پر اصرار کر رہا ہو اس کو بچا کون سکتا ہے۔ میں نے سب کچھ کر کے دیکھ لیا۔ چاہتا تھا کہ تمہارے چاکِ گریباں کی رفوگری کرسکوں بہت کچھ میں نے یہ کیا تم نہیں مانے تباہ ہو رہے ہو۔ اگلی بات یہ کہ ٹھیک ہے افسوس مجھے یہیں تک ہے۔ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (7:93) لیکن تم یہ بتاؤ کہ جو خودکشی کے اوپر اصرار کر کے مر رہا ہو اسکے اوپر کوئی دوسرا تاسف کیا کرے گا افسوس کیا کرے گا۔ اس لیے تمہاری اس تباہی کے اوپر افسوس اب میں کیا کروں تم تو اپنے ہاتھوں سے خود تباہ ہوئے ہو۔ اور یہ بھی تم نہیں کہہ سکتے کہ کوئی بتانے والا نہیں تھا جس نے یہ کہا ہو کہ صاحب! اس کا نتیجہ تباہی ہے۔ میں تو عمر بھر تمہارے ساتھ یہ کچھ کرتا رہا اس کے باوجود اگر تم باز نہیں آئے اپنے انجام کو پہنچ گئے ہو پھر میں کیا کہوں۔ انجام یہ ہو کے رہنا تھا۔ عزیزانِ من! قومِ شعیبؑ کا قصہ جو قرآنِ کریم نے بیان کیا یہاں تک ہی آیا ہے اور آگے آتی رہے گی بات۔ اس کے بعد وہ Sum up کر کے اسکا پورا نتیجہ سامنے لاتا ہے۔ ان اقوام کے ان م آل اور عواقب کو بیان کر کے اصل مقصد تو اسکا یہ ہے نا تاریخ بیان کرنا تو نہیں ہے اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے جو یہ داستانیں بیان کی ہیں۔ اگلی آیات میں وہ انہیں بیان کرے گا۔ آج وقت ہوگیا ہے ہم سورۃ الاعراف کی 93 آیت تک پہنچے ہیں 94 سے آگے لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (2:127)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حافظ سیّد محبّ الحق صاحب مرحوم!

''ہم کہہ دیں گے کہ ہم کو قرآن ہی ملا اور وہی قرآن ہم لے کر آئے ہیں''

سفر آخرت کی تیاری ہو رہی ہے اور مسافر زادِ راہ تیار کر رہا ہے۔

خوش آں راہی کہ سامانے نہ گیرد

کے نشہ میں سرشار مسافر کی نگاہ میں دنیا کا کوئی سامان نہیں جچتا اور اس کی روح کی گہرائیوں سے آواز اٹھتی ہے:

حسبنا کتاب اللہ

وہ اپنے منتہا کو دیکھتا ہے' اسے یقین ہو چکا ہے کہ کوئی وقت جاتا ہے کہ اس کی آنکھ اس جہان آب وگل پر بند ہو جائے گی اور اس عیشۃ راضیہ پر کھلے گی جس کا قرآن میں وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کا نفس مطمئنہ اپنے آپ کو اپنے رب کے حضور میں محسوس کرتا ہے اور پورے یقین اور ایمان سے پکار اٹھتا ہے کہ

ہم کو قرآن ہی ملا اور وہی قرآن ہم لے کر آئے ہیں!

ڈاکٹر تھارانی روڈ پر حسن منزل (کراچی) میں ایک مرد درویش رہا کرتے تھے۔ خوبصورت' نورانی چہرہ' سفید گھنی کھلی داڑھی' نوے سال سے اوپر کا سن عمر کے تقاضے سے جسم مجموعۂ امراض بن چکا تھا۔ بصارت قریباً جواب دے چکی تھی' سماعت نہ ہونے کے برابر تھی۔ لیکن جسمانی عوارض کے باوجود ذہنی مستعدی اور قلبی حضور کا یہ عالم تھا کہ جو ارادت کیش مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوتے ان کے مضطربانہ سوالات کے جواب میں نہایت اختصار سے یوں فرماتے کہ نیند بھی نہیں آئی' کچھ کھا بھی نہیں سکا' اختلاج بھی ہو گیا' وغیرہ' لیکن اللہ کا فضل ہے۔۔ اور اس کے بعد سلسلہ کلام کچھ اس طرح شروع ہو جاتا کہ دیکھئے' ہم بیٹھے بیٹھے قرآن کے فلاں مقام پر یوں غور کر رہے تھے۔ اگر اس میں کچھ اشکال محسوس ہوتا تو بلا تکلف سامع کی رائے پوچھتے ورنہ اپنے خیال کا اظہار کرتے اور اس انداز سے گفتگو جاری رہتی کہ پرسانِ حال یہ سمجھتے کہ آپ کے مزاج بحمداللہ بخیر ہیں۔

یہ تھے شمس العلماء حافظ سید محب الحق صاحب رئیس پٹنہ۔

☆☆☆

آپ شاہو بیگہ' ضلع گیا (بہار) میں پیدا ہوئے۔ سن پیدائش قریباً 1855ء تھا۔ چونکہ آپ کے والد بزرگوار

سید فدا حسین صاحب اسی گاؤں میں مقیم تھے اس لئے آپ کے بچپن کا زمانہ اسی گاؤں میں گذرا۔ ایک قاری محمد جان صاحب کو انہیں قرآن مجید حفظ کرانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ قاری صاحب لکھو کے رہنے والے تھے لیکن وہ تین سال تک ان کے پاس شاہوبیگہ میں رہے۔ قاری صاحب قرأت میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے' یہاں تک کہ ان کے حسن قرأت کی وجہ سے مشہور تھا کہ ان کے پاس جن پڑھنے کے لئے آتے ہیں۔ وہ جب سید صاحب کے پاس آتے تو آتے ہی کہتے: ہاں بھئی حافظ صاحب سناؤ! جب ان کا شاگرد انہیں بے تکلف قرآن سنا دیتا تو فرط محبت سے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ تین سال کے بعد جب آپ لکھو واپس چلے گئے تو ایک نابینا حافظ فضل حسین صاحب حفظ قرآن پر مقرر کئے گئے۔ ان قاری صاحب کا حافظہ بلا کا تھا اور قرآن اس صحت اور روانی سے یاد تھا کہ جب بھی ان سے پوچھا جاتا کہ فلاں آیت کس مقام پر ہے تو نہایت بے تکلفی سے فوراً صحیح بتا دیا کرتے تھے۔

جب حافظ صاحب کی عمر کوئی 23 یا 24 برس کی ہوئی تو آپ عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لے گئے۔ وہاں پر آپ نے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ وہیں ایک بڑے رئیس مولوی مشیر علی صاحب کی نواسی ۔۔ سے آپ کی شادی بھی ہوگئی تو آپ نے پٹنہ ہی میں مکان بنوا کر مستقل رہائش اختیار کر لی۔ تین چار سال میں ان کی بیگم کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ بھی فوت ہوگئی آپ کے چچا سسر کا نام سید رضا حسین تھا جو وہاں کے ''سرسید'' مشہور تھے۔

آپ کی دوسری شادی سید عبدالعزیز کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ سید عبدالعزیز صاحب پٹنہ کے مشہور لیڈر تھے اور مخدوم راستیؒ کی اولاد میں سے تھے۔

اب حافظ صاحب کا رجحان تصوف کی طرف ہونا شروع ہو گیا۔ آپ کی عمر کوئی تیس برس کی ہوگی کہ ایک بزرگ حاجی خدا بخش صاحب جو کہ غازی پور کے رہنے والے تھے اور دہلی میں مقیم تھے' پٹنہ تشریف لائے۔ ایک دن اتفاقیہ حافظ صاحب کی ان سے ملاقات ہوگئی تو آپ نے دیکھا کہ لوگ آ آ کر حاجی صاحب سے قرآن کے مطالب پوچھتے ہیں۔ حافظ صاحب نے بھی عرض کیا کہ اگر آپ خدا کی راہ بتاتے ہیں تو میں بھی آپ کے پاس آیا ہوں۔ حاجی صاحب نے جواب دیا کہ اللہ کی راہ قرآن میں ہے اور ''تمہارے پاس قرآن موجود ہے''۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ''جب بھی ان سے کچھ پوچھا جاتا تو حاجی صاحب یہی جواب دیتے کہ تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔''

حافظ صاحب پہلے ہی سے قرآن کی طرف راغب تھے۔ حاجی صاحب کے جواب سے ان کے رجحان کو اور تقویت ملی۔ آپ کے بیان کے مطابق ان کے پیر صاحب بیعت نہیں لیا کرتے تھے بلکہ صرف قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس سے ان کا قرآن میں استغراق اس قدر زیادہ ہوگیا کہ بتدریج کسی اور کتاب کی طرف توجہ ہی نہ رہی' نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جب 1940ء میں محترم پرویز صاحب نے ان کی طرف خط لکھا اور ایک حوالہ دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا:

> ''میں نے اپنی کل کتابیں حدیث و تفسیر سب ہی مدرسہ شمس الہدیٰ میں دے ڈالی تھیں اور صرف

قرآن کو اپنا نصب العین بنایا تھا کہ بس قرآن ہی کافی ہے..... میری کل تصنیفوں کی بنیاد صرف قرآن پر ہے..... میرا سن انہتر کو پہنچا۔ اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں رہا۔ کتابیں قرآن کے سوا کوئی میرے پاس نہیں۔ (21 اگست 1940ء)

☆☆☆

آپ کی سب سے اولیں تصنیف ایک رسالہ ''میلاد النبی'' ہے۔ یہ 92 صفحات کا رسالہ بہت مقبول ہوا اور کئی بار شائع ہوا۔ گو بعد میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ میرے ایام جاہلیت کی تصنیف ہے'' تاہم اس کی بہت قدر کی گئی۔ یہ رسالہ حیدر آباد (دکن) میں بھی شائع ہوا تھا۔ پٹنہ کے ایک پادری ڈین صاحب نے، جن کے ذمہ ڈسٹرکٹ سکولوں کے لئے نصاب تعلیم کی کتابوں کا انتخاب تھا، دیکھ کر کہا:

ہم نے پیغمبر اسلام کے حالات بہت پڑھے لیکن اس جیسی کتاب نہیں دیکھی۔

سر علی امام پٹنہ کے مشہور بیرسٹر حافظ صاحب کے بھانجے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے آپ کو اپنے ہاں دعوت پر بلایا۔ دوران گفتگو کہنے لگے کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں بے تکلف ہو کر آپ سے گفتگو کروں کیونکہ میں بعض سوالات کے تشفی بخش جواب چاہتا ہوں۔ آپ کے اجازت دینے پر سر علی امام کہنے لگے کہ قرآن مجید کی حقانیت کے لئے صرف اتنا ہی کہہ دینا کہ اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ سعدی کی گلستاں اور ہومر کی کتاب اور اسی طرح کی کئی کتابیں ہیں کہ ان کے جواب کی کتابیں بھی آج تک کوئی شائع نہیں کر سکا۔ اور پھر قرآن میں کوئی تسلسل بھی نہیں۔ کہیں کچھ ہے، کہیں کچھ۔ حافظ صاحب نے اعتراض سنا اور بڑے تحمل سے جواب شروع کیا:

جیسا کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں سلسلہ ہے، ویسے ہی اس کے کلام میں سلسلہ ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے.....

حافظ صاحب نے ان اعتراضات کو سامنے رکھا اور ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی پہلی کتاب ''دعوت الحق'' تصنیف کی۔ آپ نے جب یہ کتاب سر علی امام کو دکھائی تو انہوں نے اعتراف کیا کہ ان کے سب اعتراضات کا جواب مل گیا ہے۔ اس اثنا میں آپ مسوری تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کے پاس کالج کے دو متعلم آنے لگے۔ ان کا میلان دہریت کی طرف تھا۔ دوران گفتگو میں وہ اعتراضات کرتے اور حافظ صاحب ان کے جواب دیتے۔ یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ ایک دن آپ نے ان سے کہا کہ اس طرح تو تمہارے سوالات ختم نہیں ہوں گے، لو یہ کتاب میں نے لکھی ہے، اسے پڑھو۔ انہوں نے بھی جب دعوت الحق کا مطالعہ کیا تو اس میں اپنے جملہ اعتراضات کا تشفی بخش جواب پایا اور دہریت سے باز آ گئے۔ اس کے بعد ''دعوت الحق'' کو شائع کر دیا گیا اور وہ بہت مقبول ہوئی۔ اس کتاب کی نظام دکن نے بھی بہت تعریف کی اور حافظ صاحب کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ حافظ صاحب کے نظام دکن سے قریبی مراسم تھے، چنانچہ جب ملاقات ہوتی تھی تو متعدد مسائل پر گفتگو رہتی تھی۔ آپ جب بھی حیدر آباد جاتے ایک ایک دو دو ماہ قیام رہتا۔

حافظ صاحب کی تمام تصانیف اس وقت قریباً نایاب ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ دعوت الحق ہمارے بھی پیش نظر

نہیں۔

(14 اگست 1940ء)

دعوت الحق کے کوئی دس برس بعد 1339ھ میں یعنی آج سے کوئی اسی اکیاسی برس پہلے شرعۃ الحق شائع ہوئی۔ اس سلسلہ کی تیسری کتاب منہاج الحق تھی جو کوئی چھ سال بعد یعنی 1345ھ میں شائع ہوئی۔ حافظ صاحب پرویز صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

میں نے کتاب (یعنی شرعۃ الحق) لکھی، اس کو قریب قریب چالیس برس ہوئے ہوں گے۔ یہ کتاب جو علماء کے لئے ہے اور دوسری کتاب منہاج الحق جو صوفیہ کے لئے ہے۔ دونوں کتابیں دس برسوں تک لکھی لکھائی پڑی رہیں۔ میرا لڑکا بیرسٹری کے لئے ولایت گیا ہوا تھا، چھپوانے کا موقع نہ ملا اور پھر بھول چوک بھی۔ اتفاق سے میں حیدر آباد گیا۔ وہاں منہاج الحق سننے کو مجمع آتا رہا اور اس میں ہمارے دوست مولوی حمید الدین صاحب بھی آئے۔ فرمائش کر کے کچھ سنا اور کتاب کو میرے ہاتھ سے لے لیا۔ دیکھا تو ان کی نظر پڑی کہ اس کتاب کو صاف ہوئے دس برس ہو گئے۔ وہ مصر ہوئے کہ اس کو فوراً چھپنا چاہئے، ورنہ آپ مر جائیں گے اور کتاب ضائع ہو جائے گی۔ مسلمانوں کے بہت ذخیرے ضائع ہو چکے۔ انہوں نے اسی وقت کاتب کو بلا کے اس کے حوالہ کیا کہ فوراً کتاب چھپے۔ میں نے کہا کہ پروف کون دیکھے گا میں جا رہا ہوں۔ مولوی عبدالغنی مرحوم نے کہا کہ میں دیکھوں گا غرض احباب کی زبردستی سے وہ کتاب چھپی۔

مولانا حمید الدین فراہی صاحب نے نہ محض مسودہ کاتب کو دلوایا بلکہ اپنی گرہ سے پچاس روپے بھی دیئے تاکہ کتاب کے چھپنے میں مزید رکاوٹ نہ ہو۔

محولہ بالا خط سے پتہ چلتا ہے کہ شرعۃ الحق اور منہاج الحق چالیس سال پہلے یعنی قریباً 1900ء کے لگ بھگ ضبط تحریر میں آئی تھیں۔ انیسویں صدی کا ورق الٹا جا رہا تھا۔ تاریخ کے اس نہ بھولنے والے ورق کی تحریر کا بیشتر حصہ خون مسلم کی سرخ روشنائی سے لکھا گیا تھا۔ اس صدی کے آخری حصہ نے ممالک اسلامیہ کو سکرات الموت تک پہنچا دیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی مرکز، نام نہاد مغلیہ سلطنت کی شکل میں جیسا کیسا باقی رہ گیا تھا وہ مٹ چکا تھا۔ عالم اسلامی کا مرکز خلافت عثمانیہ تھی، وہ بھی دم توڑ رہی تھی۔ اسے نیست و نابود کرنے کا فریضہ انیسوی صدی نے بیسویں صدی کے سپرد کیا۔ بیسویں صدی نے اس سرعت اور مستعدی سے اس سے سبکدوشی حاصل کی کہ اسے انیسویں کا ہی کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ ان پیہم صدمات سے مسلمانان عالم پر ہمہ گیر اضمحلال چھا گیا تھا۔ سیاسی شکستوں کے جلو میں ان کے علمی مراکز ختم ہو چکے تھے۔ اب ان کے پاس نہ حکومت تھی، نہ دولت، نہ علم۔ شکم خالی، قلب مردہ، دماغ تاریک، حال پریشاں، مستقبل پریشان تر۔ عالم اسلامی پر عمومی جمود تھا۔ کیا اس سین پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پردہ گر جائے گا؟ یا تاریخ ملت ابھی سنبھالا لے گی؟ یہ سنبھالا امر محال نظر آتا تھا۔ مسلمان سیاسی شکست سے ہی ہم کنار نہیں ہوئے تھے، وہ روح زماں کی رفاقت سے محروم ہو چکے تھے۔ وہ اپنے آپ

کو ان قویٰ سے ہم آہنگ نہ کر سکے تھے جنہیں انیسویں صدی نے جنم دیا تھا۔ یہ صدی سائنسی ایجادات کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ انسان نے قوائے فطرت کو مسخر کرنے کا راز دریافت کیا اور آثار پیدا ہوئے کہ ہر چند کائنات لامتناہی ہے اور علیٰ قدر تناسب انسان ذرہ ناچیز ہے' لیکن وہ رموز فطرت کی عقدہ کشائی کر کے ایک زندہ فعال اور ہدایت کار عامل بن سکتا ہے۔ انسان کا شعور خودی بیدار ہو رہا تھا۔ اس انقلاب عظیم میں انسانوں کے وہ گروہ جو بدستور ماضی میں رہ رہے تھے ماضی ہی کی آغوش میں رہ گئے۔

ہر چند ان زلزلوں سے کوہ و دشت سحاب کی مانند اڑتے دکھائی دے رہے تھے' لیکن تہ سے کچھ تازہ چشمے بھی ابلتے نظر آ رہے تھے۔ ہندوستان میں سرسید للکارا کہ یہ شکست و ریخت تعمیر نو کی نوید ہے۔ انیسویں صدی کی قوت تعمیر کا یہ پیکر تخریب و تعمیر کے دیرینہ روابط کا اندازہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ ضرورت نئی زمانی قوتوں سے ہم آہنگ ہونے کی تھی۔ لیکن نظر بہ ظاہر ان نئی قوتوں نے تو مسلمانوں کو پامال کیا تھا وہ اس سے کیسے ہم آہنگی کر سکتے تھے؟ نہیں' یہ ہم آہنگی ان اصول و قوانین سے ہونی تھی' تخریبی قوتیں جن کا ہنگامی مظہر تھیں۔ سرسید ایک ہی سہارا لے سکتا تھا اور اس کا وجدان اسے وہیں لے گیا۔ اس نے گرد آلود غلاف سے قرآن کو نکالا اور اس کا ایک ایک صفحہ کھول کر مسلمانوں کو دکھایا اور انہیں بتایا کہ اس کے ایک ایک لفظ میں زندگی کے کس قدر راز پوشیدہ ہیں۔ قرآن صدیوں سے مسلمانوں کے پاس تھا اور ہر وقت ان کے پاس رہا۔ کیا وہ واقعی انقلاب انگیز کتاب تھی؟ کیا وہ حیات انسانی کے اس اہم موڑ پر واقعی راہنمائی کر سکنے کی اہلیت رکھتی تھی؟ بے دین یورپ کے بڑھتے ہوئے سیلاب شوکت کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہنے والا مسلمان یہ کیسے یقین کر سکتا تھا؟

مسلمان صدیوں سے قرآن کو پس پشت ڈال چکے تھے۔ اب وہ بظاہر قرآن کا نام لیتے تھے اور درحقیقت احادیث و روایات مراد لیتے تھے۔ روایات نہ محض اساس دین بن چکی تھیں بلکہ وہ قرآن پر قاضی اور اس کی ناسخ قرار پا چکی تھیں۔ یہ عقیدہ اس قدر راسخ اور یہ ذہنیت اس قدر متشدد ہو چکی تھی کہ کسی کے ذہن میں خیال تک نہیں آ سکتا تھا کہ دین کی اساس تنہا قرآن پر رکھی جا سکتی ہے۔ مسلمان نہ محض ماضی ہی کو روایات کی عینک سے دیکھتے تھے بلکہ حال و مستقبل کو بھی اسی میزان میں تولتے تھے۔ ان کے لئے سب کچھ مقدر ہو چکا تھا جس پر ''شکر'' اور ''صبر'' کرنا چاہئے۔ فکر سے عاری اور عمل سے بیگانہ ہو کر قومیں مات کھا جاتی ہیں اور یہی مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ وہ اسی خوش فہمی میں مبتلا رہا جس میں کبھی بنی اسرائیل رہ چکے تھے کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (2:80)۔ یہ زندگی چند روزہ ہے' دوسری حیات جاوید دائمی جنت میں گزرے گی۔ انہیں جھنجھوڑنے اور حقائق زندگی سے متعارف کرانے کے لئے ضروری تھا کہ انہیں قرآن کی طرف دعوت دی جاتی' لیکن قرآن روایات کی بے شمار تہوں میں لپٹا ہوا تھا۔ کیا ان 'مقدس' تہوں کا تار و پود بکھر سکتا تھا؟ موج حیات بڑھ کر جب جوئے تند و تیز ہونے پر آئی تو پھر اس کی روانی اور جولانی کو کون روک سکتا تھا!

حافظ محب الحق اسی جذب اندروں کے مظہر تھے۔ آپ

روایات کی پر پیچ وتار راہوں سے گزرتے ہوئے قرآن کے چشمۂ حیواں تک پہنچے اور دل کھول کر مسلمان کی تشنگی کا سامان بہم پہنچایا۔ آپ شرعۃ الحق کے ذیلی عنوان میں لکھتے ہیں:

جس میں شریعت حقہ صرف قرآن مجید کی صریح آیتوں سے بیان کی گئی ہے اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید مکمل اور مفصل ہے اور یہ بھی کہ خدائی کتاب انسانی رائے کی پابند و ماتحت نہیں ہے اور یہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (5:3) کا مظہر کامل ہے۔

غرض تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان دونوں کتابوں (شرعۃ الحق اور منہاج الحق) کا مخرج قرآن مجید ہے..... مجھے قرآن مجید ہی سے سمجھانا ہے اور میں سمجھاؤں گا..... میں جانتا ہوں کہ قوم حق بینی کی نگاہ نہ ڈالے گی..... وہ قرآن مجید کے مقابلہ میں بھی اپنی آبائی روش کی جانداده ہو کر کہ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا (2:170) مجھے برا بھلا کہے گی' اُمی محض کہے گی' تو کچھ بے جا اور برا نہ کہے گی ـــــ اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا' مگر اس کا یہ خیال صحیح نہ ہوگا کہ ایک جاہل اور امی نور حق کا مورد اور حق گو نہیں ہو سکا۔ مجھے جو کچھ بھی وہ کہے حق ہو سکتا ہے' مگر اس کا حق سے منہ موڑنا کبھی حق نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ مجھے دیکھے گی تو ٹھوکریں کھائے گی اور اگر وہ حق کے آگے سر جھکائے گی تو نجات پائے گی۔

اس کتاب میں کئی مباحث ہیں۔ چند عنوانات سے کتاب کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(1) خداوند عالم نے سارے رسولوں کے ذریعہ ایک ہی صراط مستقیم کی ہدایت کی۔

(2) کیا ہر دین ماسبق دین کا ناسخ ہے یا مصدق؟

(3) کیا قرآن کی آیات ایک دوسرے کی ناسخ ہیں؟

(4) دین الٰہی میں حکم خداوندی واجب التعمیل ہے یا کسی اور کا بھی؟

(5) اگر اطاعت قرآن مجید کی فرض ہے تو اطاعت رسول ﷺ کے کیا معنی؟

(6) قرآن مجمل ہے یا مفصل' کامل ہے یا ناقص؟ محتاج تفسیر ہے یا نہیں؟

(7) قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ کی باہمی منزلتیں۔

اطاعت رسول کے معنی بیان کرتے ہوئے آپ اس عام عقیدہ کو زیر بحث لاتے ہیں کہ حدیث جزو دین ہے اور لکھتے ہیں:

اگر اطیعو الرسول کے یہ معنی ہوں تو خود آنحضرت صلعم پر' جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق تھے' اپنے کل اقوال و افعال کو قرآن مجید کی طرح لکھوا جانا اور بذریعہ حفاظ اشاعت کرنا لازم ہو جائے گا تاکہ آپ کی امت اطیعو الرسول کی نافرمان نہ ہو سکے۔ اگر قرطاس اسی لئے طلب فرماتے ہوں اور لکھوا نہ سکے' تو صحابہ' خلفاء' اہل بیت اور کل مخلصین مسلمانوں کو فتوحات سے بڑھ کر ضروری اور لازم تھا کہ آپ کے اقوال و افعال کو جمع کر لیں اور آپ کے حرکات و سکنات کو قلم بند کر لیں ـــــ تاکہ خود بھی اور سارے مسلمان بھی اطیعو

الرسول کے نافرمان نہ بن سکیں۔ مگر کسی نے جمع نہ کیا۔ اگر اطیعوا الرسول کے یہی معنی ہیں تو اس کا کوئی مطیع نہیں ملے گا کیونکہ آپ کی مقدس زندگی کے سارے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات نہ پہلے کسی کو پہنچے ہوئے تھے اور نہ اب پہنچے ہوئے ہیں۔ تو پھر اطاعت رسول کس نے کی اور کون کر سکتا ہے؟ اگر اطاعت رسول کے یہ معنی ہوتے جو لوگ سمجھتے ہیں تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس سوال میں بے باک نہ ہوتے کہ یارسول ﷺ اللہ یہ حکم آپ کا ہے یا خدا کا۔ اور ایسے حال میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کبھی زینبؓ کو طلاق نہ دیتے درآنحالیکہ نبی فرما رہے تھے اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ (33:37)۔ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔

لہٰذا

اطاعت سے مراد رسالت یعنی قرآن کے ہیں۔ یہی اطاعت خدا کے بھیجے ہوئے اور رسولؐ کے لائے ہوئے قرآن کی ہے، اور یہی ایک اطاعت دونوں کی اطاعت ہے۔ مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ (4:80)۔

حافظ صاحب کی علمی تحقیقات اور تصنیفی مساعی کا نکتہ ماسکہ قرآن تھا۔ آپ نے جو کچھ لکھا وہ اپنی فہم کے مطابق قرآن ہی سے اخذ کیا۔ وہ اس مقصد کا اتنا قوی احساس رکھتے ہیں کہ قدم قدم پر قارئین کو یاد دلاتے ہیں۔ وہ قرآن میں کسی قسم کی آمیزش کے روادار نہیں۔ چنانچہ ایک بحث کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

چونکہ یہ میری تحقیق ہے، یعنی ایک انسانی تحقیق ہے جس میں غلطی ہوسکتی ہے، تو اس کی تحقیق مصطلحات سے، محاورات عرب سے، مذہبی تاریخ یعنی حدیث سے، یا اعمال قوم سے جس طرح چاہو کر سکتے ہو۔ مگر وہ ماخذ اسناد کی جگہ ہماری جہالت اور لاعلمی دور کرنے والے ہو سکتے ہیں، داخل دین ہو کر دین اللہ نہیں ہو سکتے، نہ قرآن مجید کی قطعیت چھین سکتے ہیں ___ اگر میری تحقیق سے اتفاق نہ ہو تو آپ تحقیق کرو ___ تحقیق کو میں منع نہیں کرتا ___ مگر خدا کے لئے قرآن کو مجمل نہ کہو کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔

کتاب کے خاتمہ پر مختصر سی مناجات ہے۔ عام مسلمانوں کے لئے معافی اور بخشش طلب کرنے کے بعد اپنے متعلق کہتے ہیں:

اے خدا! میری ازلی تمنا ہے کہ پرسش اعمال کے دن ہمارا نامۂ اعمال قرآن مجید ہی نکلے، اس کی شریعت کامل بھی اور اس کی روحانیت اتم بھی۔ اپنی بساط سے باہر آرزو لے کر آیا ہوں، لیکن اے خدا، مجھے نہ دیکھ، اپنے کو دیکھ۔ تو وہ کر جو تیری خدائی کے شایاں ہو، اور تیری عظمت و جلالت کے سزاوار ___ تاکہ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی فریاد میں میرا نام نہ ہو جس وقت خود بدولت کی یہ فریاد ہو گی: وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا (25:30)۔

قرآن کی طرف یہ بے باک دعوت اور قرآن اور

حدیث کے باہمی تعلق کا یوں صاف صاف اور ٹھیک ٹھیک تعین مذہبی حلقوں میں تہلکہ مچا دینے کے لئے کافی تھا۔ حیدر آباد (دکن) کے 'مذہبی' امور کے افسر اعلیٰ ان دنوں حبیب الرحمن شیروانی تھے۔ انہوں نے اس کتاب کو گمراہی پھیلانے والی کتاب قرار دیا اور حیدر آباد سے حافظ صاحب کو جو وظیفہ ملتا تھا وہ بند کرا دیا۔ نیز انہوں نے کسی مولوی صاحب سے کچھ اعتراضات لکھوائے اور حافظ صاحب کی طرف بھجوائے کہ وہ ان کا جواب دیں۔ حافظ صاحب نے انہیں لکھا کہ:

آپ ایک جلسہ قائم کر کے علماء کو بلا لیں تو میں ان سے اس پر بحث کرنے کے لئے تیار ہوں مگر اسی شرط پر کہ قرآن سے اعراض نہ ہو۔

کون مولوی اس شرط کو منظور کر سکتا تھا! خیر' نظام نے حافظ صاحب کا موقوف شدہ وظیفہ از سر نو جاری کر دیا۔

خود حافظ صاحب نے اس مخالفت کی طرف اس انداز سے اشارہ کیا ہے جو متانت اور لطافت کا حسین امتزاج ہے۔ اپنی آخری کتاب ''بلاغ الحق'' میں ''عرض حال'' کے تحت لکھتے ہیں:

اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ شاخسانے کھڑے کئے جائیں' وہ کھڑے کئے گئے۔ کسی کسی نے الٹ پلٹ کر کچھ دیکھا بھی تو بری نگاہ سے۔ کسی نے کہا کہ یہ اہل قرآن ہو گئے' قرآن ہی سے لکھتے ہیں' حدیث سے نہیں' اقوال علماء سے نہیں' تو ان کے کفر میں کیا کلام رہا۔ کسی نے کہا کہ منہاج الحق میں رقص مستانہ اور رسوم خانوادہ کی حمایت نہیں ملتی تو ان کے منکر خانقاہ اور کافر ہونے میں کونسی تامل کی جگہ باقی رہی..... کسی نے کہا کہ جس گھر میں یہ کتاب رہے وہ کافر کا گھر ہے۔ پوچھا گیا کہ آپ نے پڑھی بھی' فرمانے لگے پڑھی تو نہیں' اور پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں۔ کہنے والوں نے کہا' سننے والوں نے سنا۔ جو میں نے سنا وہ اک معتبر حضرت سے سنا ہے جو میرے عقیدہ میں ثقہ ہے۔

روایت پرستوں کے نزدیک کسی روایت کی صحت کا دارومدار مفروضہ راوی کی مزعومہ ثقاہت پر ہے۔ ثقاہت کا کوئی مطلق معیار نہیں۔ چنانچہ حافظ صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

جیسے کسی کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی۔ ملاقات میں ان کے دوست نے پوچھا کہ بھئی میں نے تمہارے مرنے کی خبر سنی' سخت صدمہ ہوا۔ وہ فرمانے لگے کہ بالکل غلط ہے' دیکھ لو میں مجسم موجود ہوں۔ ان کے دوست نے کہا کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے سنا اور وہ آپ سے زیادہ ثقہ ہیں۔

اب ایک ''ثقہ'' مولوی صاحب کی روایت کے مقابلہ میں متعلقہ شخص کا مجسم موجود ہونا اس بات کا کیسے ثبوت ہو سکتا ہے کہ مولوی صاحب کی روایت غلط ہے اور وہ مرنہیں گیا؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ شخص جو اپنے مرنے کی خبر کی خود تردید کر رہا ہے کذاب ہے!

''بلاغ الحق'' حافظ صاحب کی آخری کتاب ہے۔ کتاب میں کہیں سن اشاعت نہیں دیا گیا۔ اس کتاب میں حدیث کی ظنیت کے مقابلہ میں قرآن کی قطعیت ثابت کی

گئی ہے اور عبادات اور معاملات پر بھی کافی بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ان کے دلائل میں پختگی آ گئی ہے اور ان کا قرآن کی قطعیت پر ایمان مستحکم تر اور متشددتر ہو گیا ہے۔ لیکن آپ کے انداز تحریر میں اس قدر توازن ہے کہ باوجود شدت تاثر کہیں جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوتے۔ مخالفین کی ایک ایک دلیل کو قرآن۔۔ اور خود حدیث۔۔ سے رد کرتے ہیں اور کسی بحث کو تشنہ نہیں چھوڑتے۔ وہ مخالفین کی مخالفت سے بالکل برہم نہیں ہوتے اور بدلائل ان کا جواب دیتے ہیں۔ اپنے متعلق انکا ہمیشہ یہی دعویٰ ہے کہ میں نے قرآن اور صرف قرآن پیش کیا ہے۔ قارئین کو مصنف سے اختلاف ہوسکتا ہے لیکن قرآن سے تو نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا وہ ہر ایک کو یہی مشورہ دیتے ہیں کہ مجھ پر نکتہ چینی کرو، میری عیب جوئی کرو، لیکن قرآن کو نہ ٹھکراؤ۔ خود اس میں تفکر اور تدبر سے کام لو اور مجھے نظر انداز کر دو۔

☆☆☆

حافظ صاحب کی صحت بہ تقاضائے عمر برسوں سے خراب چلی آ رہی تھی۔ 17 ستمبر 1940ء کے تحریر کردہ خط میں آپ نے پرویز صاحب کو لکھا:

اس ناسازیٔ طبع نے یہ سمجھا دیا کہ اب تصنیف یا تحریر کا وقت گذر گیا۔ کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر ضعف سے سر میں چکر، ایسے حال میں کیا لکھوں۔ بیاسی برس کا سن ہوا، قویٰ جواب دے رہے ہیں۔ دوا کیا کام کرے گی۔ سوکھے درخت میں پانی ڈالنے سے کچھ نہیں ہوگا غالب خوب کہہ گیا ہے۔

دم واپسیں برسرِ راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

اس کے باوجود آپ نے طلوع اسلام کی طرف ایک تحریر بھیجی جسے آپ نے بخارا ور بخار کے ضعف کے باوجود لکھا لیکن آپ میں نظر ثانی کی ہمت نہ تھی۔ اس سے پیشتر ایک خط میں جو 21 اگست 1940ء کا لکھا ہوا ہے، آپ نے اپنی جسمانی کیفیت کو مجملاً بیان کیا اور اپنے آپ کو ''مردہ نماز زندہ'' کہا لیکن اندرونی کیفیت اس پر بھی یہ تھی کہ:

ہمت کہتی ہے کہ چل، پیری کہتی ہے کہ اب وہ دن گئے، پیچھے نہ دیکھ، آگے دیکھ۔

ان کی ہمت پیری سے برسر پیکار رہی اور آخر دم تک ان کا ساتھ دیا۔

تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے اور وفات تک یہیں کراچی میں مقیم رہے اور بال آخر یہیں مدفون ہوئے۔ ان کے معتقدین ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گفتگو ہمیشہ قرآن ہی سے متعلق ہوتی۔ آپ نے جب پرویز صاحب سے سنا کہ معارف القرآن (جلد چہارم) کا مسودہ تیار ہو چکا ہے اور عنقریب شائع ہو جائے گا تو آپ نے فرمایا کہ اب میں اللہ میاں کے ہاں سے Extension (عمر میں توسیع) پر ہوں۔ پہلے درخواست کی تھی کہ معارف القرآن کی دوسری اور تیسری جلد دیکھ لوں، وہ منظور ہو گئی تو اب جلد چہارم تک کی توسیع کے لئے پھر گذارش کیا ہے۔ لہٰذا اس کی تکمیل طباعت میں جلدی کرو۔ میری بینائی کا تھوڑا سا حصہ جو باقی رہ گیا ہے اسے میں نے اس کتاب کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ اللہ نے

ان کی یہ درخواست بھی منظور کر لی اور انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام معراج انسانیت کا ایک ایک لفظ پڑھنے میں صرف فرمائے۔

1941ء میں جب معارف القرآن کی پہلی جلد شائع ہوئی اور پرویز صاحب نے ایک نسخہ آپ کی خدمت میں روانہ کیا تو آپ نے رسید کے خط میں تحریر فرمایا:

جہاں تک کتاب کو دیکھا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عکسی قرآن چھپنا شروع ہوا ہے' آپ نے میری عقیدت اور خیالات کا عکسی مرقع شائع فرمایا ہے۔ اس قدر اتحاد خیالات بھی کیا حیرت انگیز نہیں ہے۔ اب ان کی تعریف کرنا اپنی تعریف کرنا ہے۔ اور فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ (53:32) کے احاطہ کے اندر ممنوع ہے۔ (26 ستمبر 1941ء)

کراچی میں پرویز صاحب اور ادارہ طلوع اسلام کے اراکین سے ملاقات میں آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جب دعوت الی القرآن کی ابتدا کی ہے تو ہمیشہ یہ خیال دامن گیر رہا کرتا تھا کہ نہ معلوم یہ آواز یہیں ختم ہو جائے گی یا اس دیئے سے آگے دیا بھی جلے گا۔ اللہ نے میری آواز سن لی میری زندگی ہی میں یہ دعوت عام بھی ہوئی اور (پرویز صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرا کر فرمایا) اب اس کی بھی تسلی ہو گئی کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اب میں اطمینان کی موت مروں گا۔

گذشتہ صدی کے آخر میں جب اس مرد مومن نے رجعت الی القرآن کی دعوت دی ہوگی تو اس وقت یہ دعوت کس قدر غیر مانوس اور نا آشنائے گوش ثابت ہوئی ہوگی' اور آج اس مرد مومن کی مسرتوں کا کیا ٹھکانہ ہوگا جس نے اپنی دعوت کو اپنی زندگی میں یوں عام دیکھ لیا۔ کتنی کامیاب ہے زندگی اور کتنی قابل رشک ہے یہ موت!

حافظ صاحب کی صحت برسوں سے خراب تھی۔ کراچی میں ان کی حالت اور خراب ہوگئی۔ وہ چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس کے باوجود 19 جون 1949ء کی صبح کو آپ یک لخت پرویز صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ بقول پرویز صاحب ان کا ''ظلمت کدہ قرآن کے نور سے وادی ایمن بن گیا۔'' پرویز صاحب نے جب اس زحمت کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ مجھے اطلاع دی ہوتی تو میں خود حاضر ہو جاتا۔ تو اس پر آپ نے فرمایا کہ کئی دنوں سے یہ کھٹک پیدا ہو رہی تھی کہ ایک خادم قرآن کے پاس چل کر جانے کے ثواب سے کہیں محروم ہی نہ رہ جاؤں۔ آج یہ آرزو پوری ہوگئی۔

یہ کیفیت اسی مرد مومن کی ہو سکتی ہے جس کی عمر قرآن میں تدبر اور اس کی تبلیغ میں گزری ہو اور اس کی زندہ تفسیر کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (6:162)۔

طلوع اسلام میں ''اسباب زوالِ اُمت'' سے متعلق سلسلہ گفتگو کا آغاز ہوا تو موضوع کی اہمیت کے پیش نظر حافظ صاحب نے بھی اس بحث میں حصہ لیا اور اپنے گراں قدر خیالات پیش کئے۔ ان کا مضمون اگست 1949ء کے طلوع اسلام میں شائع ہوا۔ آپ نے وہ مضمون' اسطرح تحریر فرمایا کہ ضعف بصارت کے باعث اپنے لکھے کو پڑھ نہیں سکتے تھے۔ کاغذ اور قلم لے کر لکھنا شروع کر دیا اور بلا دیکھے اپنے

خیالات تحریر فرماتے چلے گئے۔

☆☆☆

مسلسل عوارض اور تقسیم ہند کے ضمنی عواقب کی وجہ سے حافظ صاحب مغفور روز بروز کمزور ہوتے چلے جا رہے تھے۔ شروع مئی 1950ء میں وہ لاہور تشریف لے جانے پر آمادہ ہو گئے کیونکہ خیال یہ تھا کہ وہاں کی آب و ہوا ان کی صحت پر اچھا اثر کرے گی۔ ان سے جب لاہور کا ذکر آتا تو فرماتے کہ وہاں عرشی صاحب کی قرآنی جماعت ہے' ان سے قرآن پر باتیں ہوا کریں گی۔ ۲۷ مئی کو روانگی کا خیال تھا اور تیاریاں ہو رہی تھیں کہ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور پھر سنبھل نہ سکی۔ چنانچہ 26-25 مئی 1950ء کی درمیانی شب کو رحلت فرما گئے۔ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۙ (101:7)۔

☆☆☆

حافظ صاحب کے استغراق فی القرآن کا اندازہ کچھ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے یا وہ خوش نصیب جنہیں ان سے شرف ملاقات حاصل ہوا ہے۔ ہر چند حافظ صاحب کی عمر انیسویں اور بیسویں دونوں صدیوں پر برابر کی تقسیم ہو گئی تھی بلکہ ایک لحاظ سے انہوں نے بیسویں صدی کو کہیں زیادہ دیکھا کیونکہ ذہنی پختگی کا زیادہ حصہ اسی صدی میں گذرا لیکن وہ درحقیقت انیسویں صدی ہی کے مظہر اور نمائندہ تھے۔ انیسویں صدی میں حافظ صاحب ہراول تھے اس عظیم تحریک (رجعت الی القرآن) کے جو بیسویں صدی میں مسلمانوں کے فکری انقلاب کا باعث بنی۔

ہمیں افسوس ہے کہ حافظ صاحب کے حالات زندگی زیادہ تفصیل سے مہیا نہیں کئے جا سکے۔ اس کے ذمہ دار آپ خود ہیں۔ آخری ایام میں ملک غلام کبریا صاحب (امت مسلمہ والے) ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چیدہ چیدہ واقعات زندگی لکھوانے کے لئے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک قصۂ پارینہ ہے۔ ایک گنہگار انسان ہوں اور ابھی تک جیتا ہوں' اور تمہارے سامنے ہوں' دیکھ لو۔ لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ حافظ صاحب نے اس قصہ پارینہ کی کڑیاں قصداً گم کیں۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرے جو خطوط تمہارے پاس ہیں وہ لے آئیو۔ جب سب خطوط ان کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے تو آپ نے ایک ایک کر کے ان کو تلف کر دیا۔ ان خطوط سے ان کے متعلق بیش قیمت معلومات مل سکتی تھیں لیکن انہوں نے ان کا نشان تک باقی نہ چھوڑا۔ یہ چند واقعات جو پیش کئے گئے بہت حد تک ملک غلام کبریا صاحب نے جمع کئے۔

☆☆☆

سطور بالا سے شمس العلماء سید حافظ محب الحق صاحب کی عظمت کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس دور میں اصحاب علم کو کون پوچھتا ہے؟ ملت کو ان کی احتیاج نہیں! یہ چند سطور لکھ کر حافظ صاحب کا ذکر اسلئے کر دیا گیا ہے کہ آئندہ نسلیں اگر زندگی کی اساس قرآن کو بنائیں تو وہ داعیان الی القرآن کے مبارک سلسلہ کی مختلف کڑیوں سے ناواقف نہ ہوں!

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہیں آج کیوں ذلیل ۔۔۔۔

(شمس العلماء حافظ سید محب الحق مرحوم 1855ء-1950ء)

سوال یہ ہے کہ جب مسلمان حق پر ہیں تو ایسے برے حال میں کیوں ہیں' یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر۔ یہاں تک کہ ہندوؤں سے بھی ہر چیز میں کہیں فروتر۔

(قبلہ حافظ صاحب کی کتاب دعوت الحق میں ایک طالب آپ سے سوالات پوچھتا ہے اور آپ اس کے جوابات دیتے ہیں۔ وہ اسلام کی حقانیت سے متاثر ہونے کے بعد مندرجہ بالا سوال پوچھتا ہے۔ یعنی حافظ صاحب' طلوع اسلام میں شائع شدہ سوال کو اسی طالب کے سوال کی آخری کڑی قرار دیتے ہیں۔طلوع اسلام)

ہاں یہ اعتراض صحیح ہے' اس کا جواب ذرا توجہ سے سنئے۔

خدا نے بندوں کا برا حال دیکھ کر پیغمبروں کے بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا' ہر قوم میں پیغمبر آئے۔ خدا کا پیغام لائے' یعنی کتاب اللہ لائے۔ اسے قوم کو دیا۔ اور اس پر خود عمل کر کے انہیں بتایا۔ قوم نے ترقی کی۔ مختلف اقوام میں سے ہر ایک قوم کو اصول کے اعتبار سے ایک ہی کتاب مختلف زبانوں میں ملتی رہی تھی۔ ہر کتاب ایک دوسرے کی مصدق۔ کیونکہ ہر ایک کتاب قانون فطرت کے مطابق تھی۔

خدا کی شان سے یہ بہت بعید تھا کہ فطرت تو کچھ اور بناتا اور حکم کچھ اور دیتا۔ سب پیغمبروںؑ کی کتابیں جب ان کی قومیں ضائع کرتی گئیں تو آخر میں ایک پیغمبر ساری دنیا کے لئے آیا۔ چونکہ اس کے بعد کسی اور پیغمبر کی ضرورت نہ تھی اس لئے رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اب اس کی ضرورت تھی کہ اس کتاب کو جو اللہ نے اس پر وحی کی تھی' محفوظ رکھا جاتا اس کی حفاظت خدا نے اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ دیکھ لو۔ وہ اب تک خدا کی حفاظت میں ہے۔ یہی اسلام اگلی کتابوں میں تھا۔ ''یقینا قرآن پہلی کتابوں میں بھی تھا۔'' (شعراء) چنانچہ تمام کتب سابقہ ایک دوسرے کی مصدق تھیں اور وہ اب قرآن میں آ گئیں اس لئے قرآن ان سب کا مھیمن (محافظ) ٹھہرا۔ اس لئے ہمیں حکم دیا کہ سب پیغمبروں اور ان کی تمام کتابوں پر ایمان لاؤ' قرآن پر ایمان' ان سب پر ایمان کو اپنے اندر لے آتا ہے۔ خدا ایک۔ رسول سب برحق۔ کتابیں سب ایک دوسرے کی مصدق کیونکہ سب فطرت کے مطابق تھیں اور فطرت غیر متغیر ہے۔ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ (30:30)۔ اسی طرح لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ (10:64)۔

جس طرح ساری قوموں نے اول اول اصل کتاب اللہ پر عمل کیا اور اس سے دین اور دنیا کی کامیابی حاصل کی۔ رفتہ رفتہ دنیا کا خیال دین پر غالب آنے لگا تو انہوں نے کتاب اللہ کو ضائع کرنا شروع کر دیا اور اس کی جگہ بنائی ہوئی باتوں

پر عمل پیرا ہو گئے۔ آہستہ آہستہ کتاب اللہ کی جگہ ان ہی باتوں نے لے لی۔ باتوں کو حدیثیں کہتے ہیں۔ تورات و انجیل کو اٹھا کر دیکھو۔ کہیں خدا کا قول نہیں ملے گا۔ ہر جگہ یہی ملے گا کہ رسول نے یہ کہا۔ نبی نے یہ فرمایا۔ یوں ان کی کتابیں ضائع ہوگئیں۔

مسلمانوں کا جب تک قرآن پر عمل دخل رہا' کامیابی نے پرچم لہرایا۔ سلطنت نے عروج پکڑا۔ یہ عروج ایسا محکم تھا کہ قرآن چھوڑنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک اس کے اثرات باقی رہے۔ اس کے بعد سلطنت نے دین کو دنیا سے الگ کر دیا۔ دنیا کا خیال دین پر غالب آیا۔ اس کے لئے قرآن پیچھے ڈالا گیا اور جس طرح پچھلی امتوں نے حدیثیں بنائی تھیں' انہوں نے بھی یہی کچھ کرنا شروع کر دیا۔ اب جو جج اور قاضی مقرر ہوتے تھے ان کی تقرری کا معیار' حدیث دانی ہوتا تھا۔ اب عزت و تکریم قرآن جاننے والوں کے لئے نہیں بلکہ حدیث جاننے والوں کے لئے تھی۔ موضوعی حدیثوں کا دروازہ کھل گیا۔ خدا نے حکم دیا تھا اَحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (5:49) (جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق فیصلے کرو) اور ''سو ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کیا ہے تا کہ تو متقیوں کو اسکے ذریعے بشارت دے اور جھگڑالو قوم کو اس کے ذریعے ڈرائے۔'' (مریم) یعنی فیصلے بھی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (47:9) (قرآن) کے مطابق ہونے تھے اور تبشیر و تنذیر بھی اسی کے ذریعے۔ لیکن قوم نے کیا کیا۔ اسے بھی سنئے۔

خدا کا فرمان تھا کہ اے رسول ان سے کہہ دے کہ ''یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا تھا تا کہ میں تمہیں بھی اس سے ڈراؤں اور اسے بھی جس تک یہ پہنچے۔'' (انعام) یعنی جو کچھ خدا نے وحی کیا وہ سب قرآن میں تھا۔ قرآن سے باہر وحی کہیں نہ تھی۔ لیکن قوم نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ ایک وحی جلی ہے جو قرآن میں ہے اور ایک وحی خفی ہے جو حدیث ہے۔ خدا نے قرآن کی تبلیغ کا حکم دیا لیکن قوم نے کہا کہ نہیں جبریل (معاذ اللہ) حضور ﷺ کے کان میں کہہ جاتے تھے کہ جو کچھ قرآن میں وحی کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ تم یوں حکم دو۔ مثلاً خدا نے وصیت کا حکم دیا لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (2:180) جبریل نے کہا کہ یہ دکھلاوے کا حکم ہے۔ اصل حکم یہ ہے لا وصیۃ لوارث (وارث کے لئے کوئی حکم نہیں)۔ یعنی خدا نے وصیت کا حکم دیا۔ اس کی تاکید کی اور جو وصیت نہ کر سکے اس کی طرف سے خود وصیت کر دی فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ (4:11) لیکن آیتِ وصیت کو حدیث نے منسوخ کر دیا۔ اور اسے ترکہ کی آیت فرض کر کے ترکہ کی تقسیم شروع کر دی۔ اور محجوب وغیرہ کا قصہ کھڑا کر دیا۔ اسی طرح قرآن نے کہا تھا کہ زنا کی سزا سو دُرے ہیں۔ لیکن قوم نے حدیث گھڑی اور کہہ دیا کہ زنا کی سزا سنگسار ہے۔ حالانکہ سنگسار کا حکم قرآن میں کہیں بھی نہیں۔ یہ صریح قرآن کی تحریف اور رسول ﷺ پر اتہام ہے۔ غرضیکہ کہاں تک لکھا جائے۔ قرآن کا کوئی حکم اور کوئی تبشیر و تنذیر نہیں جو حدیث سے متاثر نہ کر دی گئی ہو۔

وحی خفی کو فرض کر کے حدیثوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا اور اس طرح آپ کو متہم کر دیا۔ یہ پہلی بدعت تھی جو دین میں داخل کی گئی۔ اسی سے سب فرقے بنے۔ شیعہ' سنی' مقلد' غیر مقلد' شافعی' حنفی' مالکی' حنبلی اور علیٰ ھذا کس قدر فرقے نکلنے شروع ہو گئے۔ یہ سب فرقے حدیث کی وجہ سے نکلے اور مسلمان شرکوں میں داخل ہو گئے' کہ قرآن کا حکم ہے کہ

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (30:31-32)۔

''دیکھنا! تم مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کر دیئے اور خود بھی ایک فرقہ بن کر بیٹھ گئے۔ چنانچہ پھر حالت یہ ہوگئی کہ ہر فرقہ اپنے مسلک پر مگن ہو کر بیٹھ گیا۔

یوں آخری اسلام میں بھی پھوٹ پڑ گئی اور پھوٹ خدا کا عذاب ہے۔ ''خدا اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے۔ یا ایسا کرے کہ تم گروہ گروہ ہو کر آپس میں لڑ پڑو اور ایک (گروہ) دوسرے (گروہ) کی شدت کا مزہ چکھے'' (انعام) مسلمانوں نے اس پھوٹ کا خوب مزہ چکھا ہے اور بغداد کی تباہی کے بعد یہ عذاب شدید ترین شکل میں ان پر مسلط ہو چکا ہے۔ یہ ہے راز مسلمانوں کی تباہی کا۔ قرآن سے منہ موڑ کر اگر ذلیل نہ ہوتے تو اور کیا ہوتا۔ انہوں نے قرآن کو چھوڑا تو باقی رسومات رہ گئیں۔ انہوں نے کہا کہ رسومات کو محکم طور پر قائم رکھو۔ بس یہی مذہب ہے۔ فقط اتنا یاد رکھو کہ فلاں چیز سنت ہے۔ فلاں مکروہ ہے۔ فلاں واجب ہے۔ قرآن ان اصطلاحوں سے بے نیاز ہے۔ قرآن میں جس چیز کے کرنے کا حکم ہے وہ فرض ہے اور بس۔ قرآن اصطلاحات سکھانے اور رسومات کا پابند بنانے نہیں آیا تھا۔ وہ آیا تھا مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار کرنے کے لئے۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ ۔۔۔ الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (9:24) (توبہ) ان سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان کے لوگ اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے پر تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا'' مسلمان جب تک قرآن کے متبع تھے، جہاد ان کے نزدیک سب سے بڑا فریضہ تھا۔ جب جہاد سے دل چرانے لگے تو پھر قرآن کے بجائے حدیثیں جمع کرنی شروع کر دیں جن میں ذرا ذرا سی بات پر ثواب کے پہاڑ مل جانے کی ''بشارتیں'' لکھ دی گئیں۔ خدا نے قرآن کے متعلق فرمایا تھا کہ ''اسی قرآن سے زندگی کی شادمانیاں حاصل کرو۔ یہ ان چیزوں سے بہتر ہے جنہیں تم جمع کرتے پھرتے ہو'' لوگوں نے اس کو یوں مذبوح کہا کہ قرآن ان خزانوں سے بہتر ہے جنہیں تم جمع کرتے ہو۔ لیکن تقابل ہمیشہ ہم جنس میں ہوتا ہے۔ اگر میں کہوں کہ چاند تارے میری کتاب سے بہتر ہیں تو یہ بات بے معنی ہوگی۔ لوگوں نے حدیثیں جمع کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس کو خدا نے منع فرمایا۔ اور خدا کے رسول ﷺ کے بھی منع فرمایا اور صاف کہہ دیا کہ لا تکتبوا عنی سوی القراٰن ومن کتب عنی شیئاً فلیمحہا۔ (مجھ سے قرآن کے سوا اور کچھ نہ لکھو۔ جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ اور لکھ لیا ہے اسے مٹا ڈالے) اسی کے اتباع میں خلیفہ اولؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم ان قوموں کو جانتے ہو جنہوں نے حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں اور کتاب اللہ کو ضائع کر دیا۔ دیکھو تورات اور انجیل اس پر شاہد ہیں۔ اسی کی تعمیل میں خلیفہ ثانیؓ نے فرمایا کہ حسبنا کتاب اللہ (ہمارے اللہ کی

کتاب کافی ہے) اور حدیثیں بیان کرنے والوں کو مجرم قرار دیا اور جلاوطن اور نظر بند کر دیا۔ مگر آخر میں زمانہ بدل گیا۔ بادشاہوں کی سطوت رنگ لائی۔ حدیث کو رسول ﷺ کے نام کے ساتھ منسوب کر کے بدعت قائم کی اور اسے قرآن میں ضم کر دیا۔ بلکہ قرآن پر حکم قرار دے دیا۔ اب مولوی۔ مشائخ۔ امام بننے شروع ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ میں سے نہ کوئی مولوی تھا نہ مولانا۔ نہ امام نہ کچھ اور وہ سب مومن تھے اور خدا کے بندے۔ خدا کا حکم تھا کہ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (6:106) (اے رسول جو کچھ تم پر خدا کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اس کی اتباع کرو)۔ آپ نے کماحقہٗ قرآن کی تعمیل فرمائی جس کی خود خدا نے شہادت دی۔ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ (7:203) (ان سے کہہ دو کہ میں صرف اس کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے)۔ یعنی رسول اللہ نے منادی کر دی کہ میرا عمل قرآن کے سوا اور کسی چیز پر نہیں ہے اس سے واضح ہے کہ جس چیز کو قرآن نے فرض قرار دیا ہے وہی رسول اللہ کی سنت تھی۔ سنت اور فرض دو الگ الگ چیزیں نہیں۔ قرآنی فرائض کے علاوہ سنت اور کچھ نہیں کہ رسول ﷺ نے قرآن ہی پر عمل کیا تھا اور عملِ رسول ﷺ کو سنت کہتے ہیں۔ اسی لئے قرآن نے کہہ دیا کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (4:80) (یعنی چونکہ رسول قرآن پر عمل کرتا ہے اس لئے جس نے رسول کی اتباع کی اس نے خدا کی اطاعت کی)۔ بات بالکل صاف ہے قرآن سے باہر سنت کی تلاش کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) زبان سے تو یہ کہتے تھے کہ میں صرف قرآن کی اتباع کرتا ہوں اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ (7:203) اور عملاً قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کی بھی اتباع کرتے تھے جسے اب قرآن سے باہر سنت کہا جاتا ہے۔

ہمارا لکھنا آپ صاحبوں کو برا معلوم ہوگا۔ لیکن میں اب اگلی منزل سے بہت قریب ہوں اس لئے میں نے جو کچھ حق سمجھا اسے کھلے الفاظ میں کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے اور خدا کو ایک دم بھول چکے ہو۔ میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ اللہ ہے اور یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (18:26) (وہ اپنے حکم میں کسی اور کو شریک نہیں کیا کرتا)۔ آپ خدا کو کافی سمجھئے پھر دیکھئے کہ خدا آپ پر ویسا ہی مہربان ہو جائے گا جیسا پہلے تھا۔ اپنے بدعتی خیالات سے دین کو خالص کرو اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (39:3) (دین خالص صرف اللہ کے لئے ہے)۔ بس دین خالص میں (جو قرآن کے اندر ہے) مسلمانوں کی تمام فلاح و بہبود مضمر ہے۔ جس دین میں بدعت کی آمیزش ہو جائے وہ دین خالص نہیں رہا کرتا اور ''ملے جلے دین'' کا نتیجہ (جسے خدا شرک قرار دیتا ہے) ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک جی چاہے اسے آزما لو۔ یہ اللہ کا قانون ہے جو نہ پہلی امتوں کے لئے بدلا ہے نہ تمہارے لئے بدلے گا۔ مسلمانو! ایک مرتبہ پھر کہو کہ

حسبی اللہ نعم المولیٰ ونعم النصیر

میرے لئے اللہ کافی ہے۔ وہی بہترین آقا ہے اور وہی بہترین مددگار۔

پھر اس کے بعد دیکھو کہ اس کی ولایت اور نصرت کفایت کرتی ہے یا نہیں۔

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (20:47)

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب المراسلات

ایک پرانے کرم فرما کے ساتھ کچھ ماہ سے میرا خط و کتابت کا سلسلہ چل رہا ہے جس میں بہت سے موضوعات زیرِ بحث آتے رہے ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے قارئین کی معلومات کے لئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

سوال:۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ تحریکِ طلوع اسلام نے گفتار کے غازی تو بے شمار پیدا کئے لیکن کردار کا ایک غازی بھی پیدا نہ کر سکی جو بعد میں آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ہوتا۔ قرآن جو علامہ غلام احمد پرویز ساری عمر پڑھاتے رہے واشگاف الفاظ میں بتاتا ہے کہ اگلے جہاں میں مدارج کا تعین کردار کی بنیاد پر ہوگا۔ کاش تحریکِ طلوع اسلام کے مبینہ وارث اتنی سی بات سمجھ لیتے کہ حصولِ مقصد کے لئے محض کتابیں بیچنا یا درس دینا کافی نہیں۔ مسلمان ہیں تو ہمیں مسلمان بن کر دکھانا ہوگا۔

جواب:۔ طلوع اسلام سے قریبی وابستگی رکھتے ہوئے، آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے کہ طلوع اسلام قرآن کے الحق پیغام کو مروجہ باطل مفہوم سے نکھار کر پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ یہ پہلی منزل الحق کے جاننے کے پیدائشی حق پر ایک مزید اضافی کام ہے اور الحق کا جاننا نوع انسانی کے بنیادی حقوق میں شامل ہوتا ہے۔ اس اضافی منزل کو عبور کئے بغیر الحق کی تبلیغ کی پہلی منزل کی طرف بھی پیش قدمی دیرپا مطلوبہ نتائج لانے کی اہل نہیں ہو سکتی۔

آپ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اس سے آگے قدم کیوں نہیں اُٹھایا جا رہا، لیکن اس ستر سال سے زائد عمل کے مشن کو محض گفتار کا درجہ دینا کسی بھی منطقی درجہ کے معیار میں پرکھتے ہوئے محض جاہلیت ہی میں شمار ہوگا۔

اگر دیکھا جائے تو نوع انسانی تو قرآنی اقدار کو کم از کم علمی طور پر اپناتے ہوئے بُہت آگے بڑھتے دکھائی دے رہی ہے، اور عملی طور پر عصرِ حاضر کے تقاضے بھی اُسے الحق کے قریب لانے کا موجب بن رہے ہیں۔ اسی بات کی ہمیں قرآن سے بھی تائید مِلتی ہے اور اِسے عملی طور پر حقیقت میں تبدیل کرنے میں ادارہ طلوع اسلام نے اپنی ہر ممکن کاوشوں میں کمی نہیں آنے دی۔ اِس کے لئے نامساعد حالات کی صعوبتوں اور دھمکیوں کا بھی مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنی شناخت کو بحال رکھا ہوا ہے۔

سوال:۔

Thank you for your cool comments.

First of all please let me solemnly admit that Late Allama Ghulam Ahmed Parwez

gave us lot of awareness. ALLAH blessed him with enormous vision to understand the genuine meanings and spirit of the Quran.

I also agree that action should spring from the soil of awareness but I must add that the awareness that does not transform into action is usually of no avail.

You may agree with me that road to success passes through the world of action. We must understand that preaching point is not a meeting point. A talk that does not end in any kind of action is of no value. After that we have learned so much, let each of us now demonstrate Islam by implementing Islamic Laws in the state of our own Self.

I quote my great teacher saying.

Only that person can present Islam to the world who is, not only in the company of his friends but also in the big crowd of his foes. Able to project his life in proof of his truthfulness and then no one dare to oppose him. This is the only right mechanism for bringing people close to Islam.

He also said:

Please remember that Islam's being superior can only be useful to us when we ourselves attain superiority by acting in accordance with it; leading a life of disgrace and objection, and remaining puffed up on the superiority of Islam is nothing but a stupidity.

جواب:۔ میں تو قرآن خالص کی بلاغت یعنی گفتگو کو ایک مشن کے طور پر عمل کے کردار ہی میں لیتا ہوں، جس کا مقصد ان قرآنی اقدار کے بتدریج نفاذ کی کاوشوں سے ایک اسلامی مملکت کا قیام ہے۔

پیارے بھائی لگتا ہے کہ آپ کو طلوع اسلام کی مروجہ تبلیغ کی پالیسی سے متوقع عملی تبدیلی کے وقوع پذیر دِکھائی نہ دینے کی بِنا پر مایوسی ہو رہی ہے۔ اب تو آپ اُن لوگوں کی نیتوں اور کردار پر بھی سوال اُٹھا رہے ہیں جو ابھی تک اپنے مشن سے مایوس نہیں اور ابھی تک اس فریضہ کو اپنی پوری استطاعت سے نبھائے جا رہے ہیں۔ آپ کو شک نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم سب کی خواہش ہے کہ مُلک میں قرآنی نظام کا نفاذ جلد سے جلد ہو جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری یہ خواہش پوری ہو گی۔

اِس ضمن میں مَیں آپ کی توجہ قرآن ہی کی رسول ﷺ کی طرف ہدایت کو اِس اُمید کے ساتھ دلانے کی جسارت کر رہا ہوں کہ شائد اس سے آپ کی ڈھارس بندھی رہے اور آپ ہماری ڈھارس کو بھی تقویت دینے کی توفیق بھی حاصل کر سکیں۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (40:17)

اور جن باتوں کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں، ان میں سے بعض باتیں، یا تو ہم تمہاری زندگی ہی میں وقوع پذیر کر دکھائیں گے، یا ہم تم کو وفات دے دیں گے۔ (تم ان نتائج کو ظہور میں نہیں لا سکتے)۔ تمہارا کام بس یہ ہے کہ تم اس ضابطۂ ہدایت کو لوگوں تک پہنچاتے رہو۔ ان کے اعمال کے حساب سے نتائج کو ظہور میں لانا ہماری ذمہ داری ہے۔

''قرآن کریم اپنے پروگرام کے ذریعے پہلے قدم سے آخری منزل تک مختلف مدارج میں سے گزارتا ہوا لے جاتا ہے۔ ہر منزل کے متعلق اس میں ہدایات، راہ نمائی اور احکام موجود ہیں۔ تدبر کرنے کا مقام یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ معاشرہ کس حالت میں ہے، اور کہاں سے بات شروع کرنی ہے، کس طرح بتدریج اسلام کی آخری منزل تک پہنچنا ہے۔ اور پھر جس مقام پہ آپ کا معاشرہ ہے، اس سے متعلق قرآن مجید میں کیا احکام و راہ نمائی ہے، جسے آج کے ماحول میں نافذ (Apply) کرنا ہے۔ قرآن کریم کے مکمل اور آخری مرحلے کے احکام، جس میں خصوصی طور پر معاشی نظام میں ربٰو کی ممانعت کا حکم بھی شامل ہے وہ غیر تربیت یافتہ معاشرے میں نافذ نہیں کئے جا سکتے۔ جو لوگ ہمارے آج کے ماحول میں، ہمارے لئے قرآنی احکام پر مبنی معاشرے کا غیر منطقی انداز میں انطباق کرتے ہیں، وہ قرآن کے تدریجی عمل کی تکذیب کرتے ہیں، اور وہ حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔

قانون ارتقاء کے مطابق ہر منزل کے ترتیب وار پروگرام کو بتدریج پورا کرتے ہوئے، ہم اگلی منزل تک پہنچ سکیں گے۔ اس ضمن میں ہم رسول اکرم ﷺ کی پیروی میں تمام مدارج کو طے کر کے ہی، اسلامی مملکت کے حصول میں نظریہء پاکستان کی تکمیل کر سکیں گے۔ یہی اللہ کا اصول ہے، جس میں نہ تبدیلی ممکن ہے اور نہ ہی کوئی استثناء ہے۔''

ویسے ہر انسان کو اپنی رائے رکھنے اور پیش کرنے کا حق ہے، لیکن طلوع اسلام اس مشن کو بہر حال ایک عملی قدم کے طور پر دشواریوں کا مردانہ وار سامنا اور برداشت کرتے ہوئے ہی سرانجام دے رہا ہے۔ اِن کاوشوں کے نتائج برآمد ہوں گے یا نہیں اور اگر برآمد ہوں گے تو کب برآمد ہوں گے تو اس کے لئے قرآن نے رسول کو الحق کا اور وہ بھی زبردستی کئے بغیر، پیغام پہنچانے پر اپنی کاوشوں کو مرکوز کرنے پر ہی زور دیا ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (26:3)

(اے رسول!) یوں نظر آتا ہے کہ تو اپنی جان ہی گھلا دے گا، اس فکر میں، کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

زیر غور آیت میں نبی اکرم ﷺ کے قلب مشفق و غمگسار کا نقشہ یہ کہہ کر پیش کیا گیا ہے کہ ''(اے رسول!) یوں نظر آتا ہے کہ تو اپنی جان ہی گھلا دے گا، اس فکر میں، کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ قلبِ غمگسار رکھنے والا خدا کا رسول، کیا تلوار کے زور پہ اسلام کو پھیلائے گا؟ جبکہ اس کی حالت تو یہ ہے کہ خدا کو بھی کہنا پڑا کہ:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ (2:272)

تیرا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے، لوگوں کو زبردستی اسلام قبول کروانا تیری ذمہ داری نہیں ہے۔

هُدٰىهُمْ کے معنی ہیں صحیح راستے پر چلانا۔ کہا کہ تیرا فریضہ تو بس بات کو واضح انداز میں پہنچا دینا ہے (24:54)۔

دوسرے مقام پہ ہے''

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (26:4)

اگر ہم چاہتے (کہ زبردستی ایمان قبول کروانا ہے) تو، ہمارے لئے کیا مشکل تھا کہ ہم آسمان سے، ان پر کوئی ایسا واضح نشان نازل کر دیتے، جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جاتیں۔ (لیکن زبردستی، اور عقل کو ماؤف کر کے، منوانے کی بجائے، علی وجہ البصیرت ہمارے قوانین کو تسلیم کرنا ہی ایمان ہے)۔

آپ نے بوہروں اور احمدیوں کی مثالیں دے کر بات سمجھانے کی جو کاوش کی ہے تو عرض ہے کہ قرآن کے طالب علموں کے لئے وہ اسوہ حسنہ کا درجہ نہیں رکھتیں۔

سوال:۔ میرا چھوٹا سا ذہن آپ کی بڑی بڑی باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ مجھے تو خوف ہے اللہ کے اس حکم کا کہ وہ بات مت کہو جو تم خود نہیں کرتے اور یہ کہ اگلے جہان میں تمہارے مدارج کا تعین تمہارے کردار کی بنیاد پر ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب اللہ نے مجھے ایک خوبصورت ریاست (جسم و جاں) سے نوازا ہے جس میں میری رعایا (اجزائے جسمانی) میرے سامنے تابِ سخن نہیں رکھتی۔ اللہ کے واضح احکام میرے سامنے ہیں۔ پھر کیا جواز ہے کہ میں احکامِ خداوندی کو اپنی اس مملکت میں نافذ کرنے سے گریزاں ہوں۔ کس سازگار ماحول کی تلاش ہے مجھے؟

یہ کہ دوسرے ایسا کریں گے تو میں بھی سوچوں گا۔ میرے نزدیک یہی ایک روش ہے جو ہمارے جمود کا باعث بن رہی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ کسی معاشرے کا ایک فرد سدھر جائے تو پورا معاشرہ سدھر جائیگا اور وہ فرد کوئی دوسرا نہیں خود میں ہوں۔ ڈاکٹر صاحب معاشرتی قدروں میں وہ کونسی بات ہے جو علامہ پرویز (مرحوم) سے ملاقات سے پہلے ہم نہیں جانتے تھے۔ بات ہے ان قدروں کو اپنانے کی۔ یہ خواب سہانے ضرور ہیں مگر صرف اور صرف ان کے لئے جو راہِ عمل اختیار کرتے ہیں۔

جواب:۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم مناظرہ کرنے سے دور ہی رہتے ہیں۔ طلوع اسلام کے مشن کی پہلی منزل الحق کی تبلیغ سے وابستگی اور اُس کے حصول تک دوسری منزل میں نہ کودنے کا موقف جو میں نے محترم پرویز صاحب سے تفصیلی دلائل کی رو سے سمجھا ہے، وہ میں نے بیان کر دیا ہے۔ اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کا جواز نہیں نکلتا کہ ہم انفرادی طور پر

قرآن کی ہدایات سے مُنہ موڑ لیں۔ البتہ مثالی قرآنی معاشرہ کی تشکیل سے پہلے ادوار میں حکومتی قوانین کی پابندی میں رہتے ہوئے مثالی اور قطعی اجتماعی اقدار پر بتدریج نفاذ ممکن ہے اور اسے ہی ہم اللہ کے احکام پر عملدرآمد کرنے کو اپنے وقت پر ادا کرنے کو پاتے ہیں۔

آپ جیسے آہن شکن ارادے کے حامل اصحاب جو اضافی مشقتیں اُٹھانے کی ہمت اور طاقت رکھتے ہیں، وہ افراد اگر اس بتدریج طریق کو نظرانداز کرنا چاہیں تو یہ ایک شائد بلانتیجہ لیکن انفرادی طور پر مُستحسن عمل ہوگا۔ اس ضمن میں جو افراد جماعت کی تشکیل اور اجتماعی قوت کے زور سے نتائج کے حصول کے لئے قرآن میں دیے گئے بتدریج طریق سے آخرکار ایک مستقل اور دیرپا حل پر راضی ہوتے ہیں تو وہ بھی اللہ کی رضا ہی میں جماعت کی تیاری کے عملی کردار میں مصروف رہتے ہیں۔

آپ کے لہجے سے کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ طلوع اسلام کے کُچھ افراد سے آپ کو شکایت ہے اور شائد اُن کو آپ سے بھی شکایت ہوگی۔ یہ امر تو نیچرل ہے اور اس سے ادارہ کے نظریہ سے وابستگی سے قائم رہنے میں فرق نہیں پڑتا۔

یہاں مَیں آپ کو ایک ریسرچ پیپر سے اقتباس پیش کر رہا ہوں، جس سے ہمیں اپنے مُلک میں قرآنی اقدار سے وابستگی میں کمی ہونے کی وجہ سے ابھی پہلی منزل کو ہی عبور کرنے میں دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔ ہم کتاب میں دیکھتے ہیں کہ قرآن میں مومنین، مُتقین اور عقل سے کام لے کے غور و تدبر کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔ ایسے لوگوں کی نہ ہونے کے برابر کمی کی بِنا پر مُلک کی حالت یہ ہے کہ درجِ ذیل ریسرچ پیپر کی رو سے پاکستان قرآنی اقدار سے قُربت حاصل کرنے کی لسٹ میں دُنیا کے دیگر ممالک کے بالمقابل 137 ویں نمبر میں آتا ہے۔

The country in the world most faithful to the values of the Quran is Ireland according academic at George Washington University in the US. Next are Denmark, to an Sweden and the UK.

In a BBC interview, Hossein Askari, Professor of International Business and International Affairs at George Washington University said a study by himself and colleague Dr Scheherazde S Rehman, also rates Israel (27) as being more compliant with the ideals of the Quran than any predominantly Muslim country. Not a single majority Muslim country made the top 25 and no Arab country is in the top 50. He said that when their 'Islamicity index' was applied only Malaysia (33) and Kuwait (42) featured in its top 50 countries, compared to the US at 15, as is the Netherlands, while France is at 17.Saudi Arabia rate 91st , with Qatar at 111st. In doing the study they applied the ideals of Islam in the areas of a society's

economic achievements, governance, human and political rights, and international relations, he said. On that index "Muslim countries do very badly," he said and accused them of using religion as an instrument of power.

Last Novembe Prof Askari said that "we must emphasize that many countries that profess Islam and are called Islamic are unjust, corrupt, and underdeveloped and are in fact not 'Islamic' by any stretch of the imagination."

دُکھ تو ہوتا ہے لیکن حقیقت کو ماننا پڑتا ہے کہ یہ ریسرچ پیپر زمینی حقائق کی بھی ترجمانی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ دین اسلام کی بدقسمتی ہے کہ اِسلام کو مُسلمان ممالک کی کارکردگی کے تناظر سے پرکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی فرد اِس کی تعلیم سے مطمئن نظر آنا دِکھائی بھی دیتا ہے تو وہ مسلمان ممالک کی حالت دیکھ کر خود اسلام ہی سے مُتنفر ہو جاتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ الحق کو اصل حالت میں لا کر اور پھر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی مشق طویل بھی ہے اور تسلسل کے ساتھ عمل کرنے کی مُتقاضی بھی۔ ادارہ کی سوچی سمجھی مُتفقہ رائے ہے کہ یہی سمت صحیح ہے اور اس سمت کو عبور کئے بغیر اگلی منزل کو اپنانے کا خیال لانا شائد ہی مُفید ہو۔

سوال:۔

ہمارے ہاں زبانِ زدِ عام ہے۔ ''نہ اسکا کوئی دین ہے نہ مذہب'' دین بلا شبہ ہماری منزل ہے۔ مذہب (راستہ۔ پگڈنڈی۔ صراط) ذریعہ ہے منزل تک پہنچنے کا۔ دونوں لازم وملزوم ہی یا یوں سمجھئے کہ قرآن مجموعہ ہے قوانینِ خداوندی کا۔ یہی دین ہے۔ قانون اسوقت تک کارآمد نہیں جب تک روبعمل نہ ہو۔ روبعمل ہونے کے لئے قانون طریقِ کار (رولز) کا محتاج ہے۔ قانون ہمیشہ اٹل ہوتا ہے۔ نفاذ کے طریقے (رولز) حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

نبیِ اکرمؐ نے اپنے دور میں باہمی مشاورت سے قوانینِ خداوندی کے نفاذ کی صورت پیدا کی جو ہماری تاریخ میں محفوظ ہے۔ ہم سے غلطی غالباً یہ ہوئی کہ وفورِ عقیدت میں ہم نے قوانین (قرآن) کے ساتھ طریقِ نفاذ صراط۔ مذہب کو بھی غیر متبدل قرار دے لیا جس سے نہ ہم دین کی پٹڑی پر گامزن ہو سکے نہ مذہب سے کوئی فائدہ اٹھا سکے۔ اب ہم راہِ عمل (مذہب) کی طرف آتے ہیں تو قانون (دین) بھول جاتے ہیں۔ دین کی طرف آتے ہیں تو ہمیں نفاذِ دین کا ڈھنگ نہیں آتا۔ دین کے پرستار لذتِ عمل سے ناآشنا ہیں اور مذہب کے پجاری منزلِ مقصود سے بے بہرہ۔

جواب:۔

جہاں تک مَیں سمجھا ہوں آپ نے ہمارے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا ہے کہ قرآن نے تو ہمیں قانون کے اصول دئے ہیں، جبکہ عملی دنیا میں کام چلانے کے لئے ان اصولوں کی جُزیات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کو شکایت ہے کہ قرآن کی

جزیات مرتب کرتے وقت مذہبی طبقہ فرقہ ورانہ فساد اور استحصال کا موجب بن رہا ہے اور اُن کو حل نظر نہیں آ رہا۔ میرے خیال میں اس مشکل کا حل یہ ہوسکتا ہے کہ قرآن کو مملکت کے آئین کا درجہ دے دیا جائے اور مملکت کے نمائندے آئین کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے عصری تقاضوں کے مطابق عملی کام چلانے کے لئے باہمی مشاورت سے جُزیات لیجسلیٹ(Legislate) کرتے جائیں۔ اِن کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں سبھی افراد یکساں طور پر سزا کے مستحق قرار دئے جائیں۔ پاکستان اور دوسرے ممالک میں اِسی اصول کی پابندی ہو رہی ہے ماسوائے اس کے کہ قرآن کو آئین کا درجہ نہیں دیا جا رہا۔

Question: We in Pakistan got per chance a constitution to help us establish Divine Laws, which we ruined for ourselves by inserting in it an amendment which gave legal protection to sectarianism, now out of control.We will do well perhaps to remove this amendment to undo the said legal protection.

جواب:۔ آپ کی نشاندہی نے بُرائیوں کی اصل بیماری کی تشخیص کر دی ہے کہ زکوٰۃ کی کٹوتی کے ضِمن میں حکومت نے آئین میں ترمیم کر کے دو علیحدہ علیحدہ سُنی اور شیعہ فرقوں میں قوم کی تقسیم کر کے ایک اسلامی مُلک میں شِرک کو قانونی حیثیت سے تسلیم کر کے مزید فرقوں کے لئے راہ ہموار کر دی ہے۔ بدقسمتی یہ بھی ہے کہ قوم بے خبر سوئی ہوئی ہے۔

سوال:۔

Riba in Arabic literally means increase, gain or profit.

No where in Quran Riba is prohibited.

Quran however prohibits Al-Riba (2:275). This is a proper noun pointing out to a particular form of Riba.

To know the pertinence/context of the term Al-Riba. We may examine a couple of verses adjoining the verse prohibiting Al-Riba.Reading verse 2:272 to 2:280 we find that the issue discussed in these verses is, helping the poor deserving charity.

Explaining how to help a poor, Allah says "help them by way of charity and if you cannot help them by charity, then give them loan and charge no usury. Such people may not be able to pay back the loan in time. If so, give them more time or remit the loan as charity. Now this is the discourse that surrounds the word Al-Riba. The debtor being discussed here is the poor deserving charity. Study of these verse (2:272-280) tells us of the circumstances under which making money is prohibited? Amazingly, every where in Qur'an, Al-Riba is contrasted with Charity. This obviously

means that A-Riba is haram where charity is called for.

Amazingly again, The Qur'an nowhere condemns the giver of usury. This is perhaps the givers of usury are the poor exploited to accept loans with usury. All these facts put together are sufficient to prove that Qur'an prohibits charging of interest from the poor deserving charity.

An increase, gain or profit on commercial loans aimed at inflating resources does not fall in the purview of Al-Riba prohibited in Qur'an...

جواب:۔ چودھری صاحب۔آپ نے اِن آیات 2:272۔280 کے حوالہ جات سے الرّبوا کو صدقات سے جوڑ کر امیروں سے کمرشل قرضوں سے سود وصول کرنے کے جواز میں کہا ہے کہ

Qur'an prohibits charging, of interest from the poor deserving charity.

An increase, gain or profit on commercial loans aimed at inflating resources.

does not fall in the purview of Al-Riba prohibited in Qur'an.

مَیں جب اِن قرآنی آیات کا مطالعہ کرتا ہوں تو الربوٰا سے توبہ کرنے کی صورت میں صِرف اصل زر کو بغیر کسی زیادتی کے واپس لینے کی ہدایت پاتا ہوں۔قرآنی نظام میں تو امیر اور غریب کی تقسیم ہی نہیں کی جاتی بلکہ اُس میں تو ایک classless Society پائی جاتی ہے۔کیا آپ کو نہیں لگتا کہ بِلا جواز قرآن کے حوالہ سے امیر اور غریب کی طبقاتی تقسیم کرنا اور امیر سے قرضوں پر ''منافع'' لینے کو جائز اور سود سے مُنزّا قرار دینا تحریفِ قرآن کے زمرے میں شمار ہوگا؟

آپ قرآنی اصولوں کے مُبلغ ہونے کے دعویدار ہوتے ہوئے مکتبِ مُلا کی ڈگر پر چلتے ہوئے انفرادی طور پر خیرات اور بھیک مانگنے کی اپیل کرنا بند کر دیں۔ یہ تو بڑی عامیانہ اور سبھی حلقوں کی طرف سے دُہرائی جانے والی باتیں ہیں۔قرآنی معاشرہ میں قرآن انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر اللہ کے نام سے حکومت کرنے والوں کو جمع کے صیغہ میں مُخاطب کر کے ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ پوری نوعِ انسانی کے رزق کو اُن کی دہلیز پر بطورِ احسان یعنی فیور اور مدد کے نہیں بلکہ اُن کے حق کی ادائیگی سمجھتے ہوئے پہنچائیں۔ہمیں یہاں اپنے مقامِ گِراوٹ کا احساس ہے کہ ایسی مُنفرد یکساں تکریمِ انسانیت کی اقدار ہماری مذہبی سوچ میں نہیں سما رہی ہیں۔مُلا کی روزی ہی خیرات کی وصولی کی مرہونِ مِنت ہوتی ہے، لہٰذا اُن کی مناظرانہ حمایت تو سمجھ میں آسکتی ہے۔قرآنی سوچ کے حامل مُجاہد سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اِس عبوری دور کے انفرادی امداد کے غیر قرآنی معاشرہ کے لئے رائج ایک عارضی طریق کو قرآن کے ایک مستقل اور غیر مُتبدل اصول کے طور پر باوجود توجہ دِلانے کے اصرار کرتا رہے۔

The Human Self and Allah

Episode No. 22

By G. A. Parwez
(Translated by: Dr. Ejaz Rasool)

The conduct and organisation of human life also function according to this same code. Furthermore, reward or punishment of Allah is not something which is imposed on man ready made from outside, rather it is the natural consequence of the inner change within man. This is an important point which will be easier to understand through a tangible example. For example, it is the property of water that it is liquid, it flows down a slope, it takes on the shape of whatever container it is poured into. But when this same water, by absorbing cold within it, creates such a change within itself that it turns into a slab of ice, then it remains neither liquid nor does it flow down a slope, nor can it adopt the shape of every container i.e. it is the same water but due to an internal change it has now become the follower of some other clause of the law of nature. Now it is not a liquid but has turned into a solid and the properties of this state have now been created in it. Now if this water wished that it could retrieve its snatched traits then it will have to produce changes within itself i.e. it will need to become liquid again through heat. Following this change, its former properties will automatically return. Or looking at another aspect, when this same water absorbs more heat then it will change from liquid into gas. Now it will turn into another form and the law governing this form will become applicable to it. Instead of flowing down a slope, it will now rise up, will become lighter than air; if it now wished to retrieve its snatched properties, then it will have to produce a change within itself as a result of which the same properties will return.

Now just reflect on this state of affairs that every Muslim prays numerous times to Allah:

> Show us the straight path, the path of those on whom You have bestowed Your favours…(1:6-7)

But does not grasp that if despite this, his condition is not like those people on whom Allah has bestowed His favours and bounties, then what is its secret? The secret is that same one which has been mentioned above. On the one hand he prays, and on the other hand Allah tells him that a reward can only be bestowed on you once you create the potential for it within yourself - the result will manifest itself. Therefore, we should look at what the change was which those people who benefitted from Allah's bounties had created within themselves, and when those bounties have been gradually snatched away, then which change was it that resulted in this. And today, if there is the desire to retrieve

these same snatched *Naima*, then what kind of change is required to be created within us in order to achieve this. Maintaining our state fixedly as a solid slab of ice yet cherishing the desire for the property of a liquid - if this is not self-deception then what else is it? Remember! the way that the law of Allah is immutable regarding changing the states of water, it is similarly immutable regarding the life and death of nations of the world (35:43). The law of Allah is a living reality and nothing becomes made from mere sacred desires and beautiful wishes. '*So long as your glance is not on the realities of life, your glass will not be able to compete with the rock*'.

9.20 A Doubt

It is stated that when a Muslim prays to Allah to help him to tread on the path of those people who have received Allah's *Naima* (1:7) and the characteristics of these people who achieved these *Naimas* is that they are righteous, truthful, martyrs and *Anbiya*, then:

> All who obey Allah and the messenger are in the company of those on whom is the Grace of Allah, of Anbiya, the Truthful, the Martyrs, and the Righteous: Ah! what a beautiful companionship! (4:69)

From this it is then deduced that a Muslim, while following the path of a *Nabi*, can himself become a *Nabi* and as a result of this logic some people offer proof of the features of messenger-hood. This line of argument is based on absolute ignorance of the teaching of the Quran.

9.21 Another Doubt

It is often said that all those amenities and prosperities which the Quran has called the *Naima* of Allah are available to Western nations. From this aspect they will be declared as nations possessing bounties, although they deny even the existence of God and also do not accept His defined human values – what is the answer to this?

The response to this is that there are two parts of the laws of Allah. One is those laws which are related to the material universe, these are called natural laws. Whichever nation harnesses the forces of nature according to these laws will achieve prosperities and successes and in this there is no distinction between a *Kafir* and a *Momin*.

But the second part of the laws of Allah is that one which is related to human life. The nation which harnesses the forces of nature but does not bring these into use according to these laws will neither itself find internal peace and tranquility, nor will the rest of mankind live in contentment and peace in relation to them just as is happening today. But for the nation which utilises the outcome of the forces of nature according to

human values, the development of their own self will keep taking place, and the rest of the world will also live in peace and tranquility under its shadow. Such a nation is called a *Jamaat e Momineen*. On this basis all the nations of the world will be divided into three categories:

(1) That nation which, having harnessed the forces of nature, utilises these according to the Permanent Values of humanity will be called a *Jamaat e Momineen*.
(2) That nation which, having subjugated the forces of nature, utilises these according to their own desires and interests will be a *Jamaat of Kuffar*.
(3) And that nation which does not even harness the forces of nature will not even reach the status of humanity; it will live life at an animal level.

10 *Fadl* (Abundance)

In the Arabic language the word *Fadl* is taken as being the opposite of 'scarcity' i.e. something being plentiful and not scarce, greater than need. Generally, this word is used for economic conveniences, but it can also be used for superiority, higher rank, hierarchy etc. Indeed, also for rewards and gifts, favours, acts of generosity and donations i.e. giving beyond what is someone's due or to give as a favour without expecting anything in return. For example, in Surah *Al-Baqra* it is stated:

…And do not forget liberality between yourselves…(2:237)

The Bestower of these kinds of rewards and favours, raining down such bounties, is Allah, the greatest giver of *Fadl* (3:174). And the one who is showered with the *Fadls* of Allah is the possessor of *Fadl* i.e. '*Ulul Fadl*'. In Surah *An-Nur*, after the incident of *Ifk* (slandering), it is stated:

Let not those among you who are endued with grace and amplitude of means resolve by oath against helping their kinsmen, those in want, and those who have left their homes in Allah's cause…(24:22)

10.1 Messenger-hood is a *Fadl* of Allah

As with *Naima*, Allah's *Fadl* too can be divided into each of the two categories of Deen and *Duniya* (world). Let us first consider the department of Deen.

Nabuwwat is Divine *Fadl*, and receiving it is dependent on the Will of Allah, not on the skill and endeavour of someone. A brief mention has been made of it in the previous chapter on *In'aam*. The people of the Book, in particular the Jews, used to say that

whoever does not follow our Deen and is not from among the Bani Israel, how can he be a *Nabi*? In response it is stated:

…Say: 'All bounties are in the hand of Allah: He grants them to whom He wishes: And Allah cares for all, and He knows all things'. (3:73)

In the same connection, at another place it is stated:

… But Allah will choose for His Special Mercy whom He will - for Allah is Possessor of abounding Fadl. (2:105) See also (2:90, 17:86-87)

10.2 The Quran is Allah's *Fadl*

Nabuwwat was meant to be the *Wahi* of Allah which is now preserved within the Quran, hence the Quran is also Allah's *Fadl* and *Rehmat*. For mankind to receive it is also Allah's *Fadl*, and as a consequence of this, whatever the universe of humanity achieves is also His *Fadl* and *Rehmat*:

O mankind! verily there has come to you a convincing proof from your Rabb: For We have sent unto you a light (that is) manifest. Then those who have Eimaan in Allah, and hold fast to Him, soon will He admit them to mercy and grace from Himself and guide them to Himself by a straight path. (4:175-176)

Hence, the Quran is such a supreme bounty and highest favour that no matter how much happiness is displayed by mankind on receipt of it, it will be insufficient:

O mankind! Surely, there has come to you a direction from your Rabb and a healing for the diseases in your hearts – and a guidance and Rehmat for the Momineen. Say: ' In the bounty of Allah and in His Rehmat – in that let them rejoice'; that is better than all that they hold. (10:57-58).

Along with the Quran, the conduit for the Quran, Rasul-ullah himself, was also a great *Naimat* for humanity and this was also a *Fadl* and *Ihsan* of Allah:

O Nabi! Truly We have sent you as a witness, a bearer of glad tidings, and warner, and as one who invites to Allah's (grace) by His leave, and as a lamp spreading light. Then give the glad tidings to Momineen, that they shall have from Allah a very great bounty. (33:45-47) See also (62:2-9)

10.3 Inheriting the Quran is a Great *Fadl*

This Book, the teaching of which was provided by Rasul-ullah, was received by the Muslim Ummah as an inheritance. This inheritance is in itself a supreme *Fadl*:

> Then We have given the Book for inheritance to such of Our servants as We have chosen: but there are among them some who wrong their own selves; some who follow a middle course; and some who are, by Allah's leave, foremost in good deeds; that is the highest Grace. (35:32)

(It is possible that in this verse being 'foremost in righteous deeds' is defined as the supreme *Fadl*. Even then it is the same, because by inheritance of the Quran the aim is for the *Momineen* to keep progressing in righteous deeds).

10.4 Practicable *Shariat* is Divine *Fadl*

The uniqueness of this Book is that the *Shariat* in it is not such a burden which when you lift it, it cannot be lifted, rather it is such an easy code which can be followed with ease. It is not some kind of chain as a result of which the human capacity to reason and to act becomes a captive, nor any kind of commandment which is impracticable. The receiving of such a *Shariat* is also a *Fadl* of Allah:

> Say: 'See you what things Allah has sent down to you for sustenance? Yet you hold forbidden some things whereof and some things lawful'. Say: 'Has Allah indeed permitted you, or do you invent things to attribute to Allah?' And what think those who invent lies against the Day of Judgment? Verily Allah is full of bounties to mankind, but most of them do not do Shukr. (10:59-60).

Support of this is given in Surah *An-Nur*, where it is stated that those people who accuse righteous women with some slander will have to bring forth four witnesses to support their claim, and if they cannot do this then they will be punished. This is because to try and stain the chastity of someone is not any ordinary crime. But along with this it is also stated that if some man accuses his wife and cannot obtain a witness, then he should take an oath as proof of his claim. This exception has made the law easier. This allowance is declared to be a *Fadl* of Allah:

> If it were not for Allah's grace and mercy on you, and that Allah is Oft-Returning, full of Wisdom. (24:10)

10.5 Righteousness and Guidance are a *Fadl* of Allah

Therefore, getting guidance and righteousness from the Quran and treading on this straight path is Allah's *Fadl* (49:7-8). The former *Anbiya* also used to proclaim receiving guidance and righteousness as Allah's *Fadl*. Hence, in his sermon in the prison Yusuf states:

'And I follow the ways of my fathers, Abraham, Isaac, and Jacob; and never could we attribute any partners whatever to Allah: that (comes) of the grace of Allah to us and to mankind: yet most men are not grateful'. (12:38)

10.6 Saving Oneself from Being Misguided is Allah's *Fadl*

But evil forces are always busy in the effort to divert people from the path of righteousness and guidance. About Rasul-ullah himself it is stated:

> But for the grace of Allah to you and His mercy, a party of them would certainly have plotted to lead you astray. But (in fact) they will only lead their own selves astray, and to you they can do no harm in the least. For Allah has sent down to you the Book and wisdom and taught you what you knew not (before): And great is the grace of Allah unto you. (4:113)

This is why the *Momineen* are directed to not follow the whisperings of Satan by leaving Allah's guidance. This is also a great *Fadl* of Allah and it is from this that the development of the human self takes place (24:21). Details of the effects which are established in the worldly life as a result of this human self-development will be covered later.

10.7 The Blessing of the Hereafter is a *Fadl*

To be successful in the life of the hereafter is also a Divine *Fadl*. Hence, at numerous places the rewards and favours of Jannat have been declared as *Fadl* e.g. (35:34-35, 44:51-57, 57:21). This supreme *Fadl* is intrinsically linked to righteous deeds:

> … But those who have Eimaan and work righteous deeds will be in the luxuriant meads of the gardens: they shall have, before their Rabb, all that they wish for. That will indeed be the magnificent Fadl (of Allah). (42:22)

This is that same *Fadl* and blessing with which the martyrs laying down their life in the path of Allah are rewarded (3:168-170). And achieving companionship of these very people is considered to be a *Fadl* of Allah:

> All who obey Allah and the messenger are in the company of those on whom is the Grace of Allah, of the Anbiya, the Truthful, the Martyrs, and the Righteous: Ah! what a beautiful fellowship! Such is the bounty from Allah: And sufficient is it that Allah knows all. (4:69-70)

10.8 Divine *Fadl* in Worldly Matters

Now see the amazing display of Allah's *Fadl* in worldly matters – this system of the universe in which, on the one hand, such a vast arena has been left open for the struggles

and endeavours of life, and on the other hand so many means have been made available for comfort and pleasure - this is *Fadl* for mankind:

It is Allah Who has made the night for you, that you may rest therein, and the day as that which helps to see. Verily Allah is full of Grace and Bounty to men: yet most men give no thanks. (40:61)

10.9 The Life of Eminence is a Divine *Fadl*

This was a reference to the general favours in the system of nature. Now let us consider the rewards of *Eimaan* and righteous deeds. The Quran has explained one thing as a basis and foundation, and that is that by following Deen man achieves a life of distinction, and that not even a common or average level of life, never mind a life of humiliation and deprivation. And a life of eminence is a *Fadl* of Allah:

O you who have Eimaan! if you keep in view the laws of Allah, He will grant you a criterion (to judge between right and wrong), remove from you (all) evil (that may afflict) you, and protect you: for Allah is the Possessor of Fadl unbounded. (8:29)

Such a nation should always be counted among the nations which are alive. For a dead nation to get life is also a *Fadl* of Allah:

Did you not turn your vision to those who abandoned their homes, though they were in thousands (in number), for fear of death? Allah said to them: 'Die': Then He restored them to life. For Allah is full of bounty to mankind, but most of them are ungrateful. (2:243)

10.10 Achieving Powers is a *Fadl*

Similarly, obtaining positive powers is also a *Fadl* of Allah. In the story of Solomon, when it is noted that the Queen of Saba (Sheba) becomes obedient and a follower, Solomon, after witnessing these astounding forces, exclaimed:

…he said: 'This is by the grace of my Rabb! to test me whether I am grateful or ungrateful'...(27:40)

At another place it is noted that Solomon had a grand army which was mostly based on horse cavalry and that Solomon had full knowledge of the rules and principles regarding these contingents. This is also called the *Fadl* of Allah (27:16). Dawood (David) had expertise in the technique of producing iron mail armour; this has also been called Divine *Fadl* (34:10-11).

10.11 Victory and Triumph is Allah's *Fadl*

Gaining victory and success against an enemy and returning from the battlefield successful and triumphant is also a *Fadl* of Allah (3:172-173). At another place the word '*Fadl*' is mentioned as the opposite of 'trouble' in the battlefield from which its meanings are further elucidated (4:72-73). Leaving aside the battlefield, what instance is there in this world of challenges when we are not faced by some obstacle; life itself is the name of persistent struggle, continuous effort, and Jihad without end. Hence, success in the Jihad of life is a *Fadl* of Allah. Contrary to this, if some trick of an enemy becomes effective, some stratagem of his overwhelms, or by becoming entangled in some deception of his, such a step is taken which goes against the interest of the *Millat*, then this is obedience of Satan. Remaining protected from this is also a *Fadl* of Allah (4:83).

10.12 Divine *Fadl* By Spending in the Path of Allah

This is because by trapping him in their deceptive net, Satanic doubts (the sentiments of human self-interest) try to divert him from the path of guidance. For example, the requirement of the Quranic system of sustenance is that whatever is beyond one's needs should be passed on to the societal system so that the requirements of others who are in need are met from this. But the individual self-interests of man scare him by telling him that if you gave all this to 'others' then what will be left for 'yourself' ? You will die of hunger. Even though the truth is that what is apparently considered as giving to others is, in reality, giving to your 'own self'. This is because watering the roots of a tree is for the sake of growth and blossoming of the branches and leaves. Growth of the collective life of a *Millat* is the cause for the success and prosperity of individuals. The Quran has stated this fact in the following words after giving the command for *Infaaq*:

The Evil one threatens you with poverty and bids you to conduct unseemly. Allah promises you His protection and bounties. And Allah cares for all and He knows all things. (2:268)

10.13 Establishment of Peace is Divine *Fadl*

The greatest desire and yearning of man is that he should live in peace and tranquility. But those people who (somehow) acquire power and authority snatch away the peace of others and unleash chaos in the society. But in opposition to them another *Jamaat* is caused to stand up, which halts these transgressors from their excesses and in this way establishes peace in the society. This is also termed as the *Fadl* of Allah:

…And did not Allah check one set of people by means of another, the earth would indeed be full of mischief: But Allah is full of bounty to all the worlds. (2:251)

4- وہ دائرہ اسلام سے باہر چوٹی کے حکماء اور فُضلاء کو ذہن میں رکھیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے قائل ہونے سے دنیا کی ذہنی فضا سے باطل تصورات کا اثر زائل کیا جا سکتا ہے۔

5- وہ علمی دنیا کے مسلمہ حقائق سے آغاز کر کے ان قرآنی حقائق کی طرف آئیں جن کی صحت لوگوں کے نزدیک مسلم نہیں۔

6- کسی غلط عقیدہ کی محض نفی مخالفین کو قائل نہیں کر سکتی جب تک اس کے مقابل کے صحیح تصور کا اثبات نہ کیا جائے۔

7- وہ ایک فلسفہ یا ایک فلسفیانہ خیال کی تردید کے لئے جن تصورات کو صحیح سمجھ کر کام میں لائیں تو کسی دوسرے فلسفہ یا فلسفیانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار نہ دیں۔ بلکہ اپنے موقف پر قائم رہیں۔

8- مغرب کے صحیح تصورات کو نہ تو رد کریں اور نہ ہی ان کے غلط تصورات کو قبول کریں۔

9- ہر غلط فلسفہ کے اندر وہ جن تصورات کو صحیح سمجھیں انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے غلط قرار نہ دیں اور جن تصورات کو غلط سمجھیں، انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے صحیح قرار نہ دیں ورنہ وہ اپنی تردید خود کریں گے۔

(3) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا موقف:

1- کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہم نوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں علمی صداقتیں منکشف ہوں وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

2- جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط وضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے بنیادی تصور کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

3- جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

4- جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقتِ انسان و کائنات کے اہم مسائل کے بارے میں عملی راہ نمائی کرتی اور صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

5- جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکار کر کے انہیں پاکیزہ اور شُستہ بناتی ہو۔

6- جو ہمیں احکامِ دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو، جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔



(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)



PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.77
ISSUE
1

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/idaratolueislam1/ www.youtube.com/idaratolueislam

